نشاۃِ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ

بشکریہ

بُوریوالہ ٹیکسٹائل ملز

داؤد آباد ضلع وہاڑی

بوریوالہ ٹیکسٹائل ملز
۴۰۵-۴۰۳ الفلاح شاہراہ قائداعظم
لاہور

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لدعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دار العلوم — ۴

فون نمبر رہائش — ۲

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۱۵/ روپے۔ فی پرچہ ایک روپیہ ۵۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

جلد نمبر : ۱۳
شمارہ نمبر : ۵

صفر المظفر
۱۵ جنوری ۱۹۷۸ء تا ۱۵ فروری ۱۹۷۸ء

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

کچھ جانے والوں کا ذکرِ خیر

پچھلے دنوں دستِ بیدادِ اجل نے ہم سے کئی ایک ایسے اصحاب علم وفضل کو چھینا جن کی جدائی سے پیدا ہونے والی خلاء علم وادب کے میدانوں میں جلد پُر نہ ہو سکے گی۔

اردو کے صاحب طرز انشاء پرداز جناب ابن انشاء کی وفات کے بعد یکایک جناب پروفیسر حسن عسکری صاحب نے داغ مفارقت دیا۔ عسکری صاحب اولاً تو اردو ادب کے ممتاز افسانہ نگار، نقاد اور مترجم تھے، پھر تنقید وتحقیق کا سکہ علم وادب کی دنیا میں جما دیا یہاں تک کہ بین الاقوامی شہرت حاصل کی جتنے صاحب علم ہوتے گئے اتنے ہی صاحب حال اور صاحب علم بھی ہوتے، طبعاً تو مرحوم عمر بھر خود نمائی سے گریزاں، زندگی کے ہنگاموں سے دور اور کم گو رہے۔ مگر آخری زندگی تو قابل رشک تھی فلسفہ کی موشگافیوں سے نکل کر تصوف وسلوک کے سائیہ عافیت میں انہیں اطمینان قلب کی دولت ملی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم مفتی اعظم کی شہرۂ آفاق تفسیر معارف القرآن کے انگریزی ترجمہ وترتیب کا کام ان کی تحریری زندگی کا حسن خاتمہ تھا عصر حاضر کو معارف القرآن جیسی مفید اور کار آمد تفسیر کے انگریزی ایڈیشن کی بڑی ضرورت تھی۔ قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ وتشریح کے ایک اور اہم غیر مطبوعہ کام میں بھی آپ کے تعاون کیطرف نگاہیں لگی ہوئی تھیں مگر افسوس کہ وقت موعود آیا اور یہ سارے کام ادھورے رہ گئے جبکہ ایسے اہم کاموں کے اہل افراد کی بڑی قلت ہے ——— مگر ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن ——— الحق کے لئے یہ بات باعث فخر رہی ہے کہ پروفیسر صاحب مرحوم اپنے خطوط میں الحق کی تحسین فرماتے رہے اور دلی لگاؤ کا اظہار فرماتے۔ حسن ظن کا یہ تعلق صرف مخاطبت اور مراسلت تک نہ تھا بلکہ ان کی وفات کے بعد پاکستان ٹیلیویژن نے ان کی یاد میں جو قومی پروگرام نشر کیا، اس میں جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور وصدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی نے دیگر شرکاء مجلس فیض احمد فیض اور ندیم احمد قاسمی صاحب سے عسکری صاحب مرحوم کا یہ تبصرہ نقل کیا کہ ——— "اگر انہیں اردو کا معیاری نثر پڑھنا ہے تو وہ اکوڑہ خٹک سے شائع ہونے والے الحق رسالہ میں آپ کو مل سکتا ہے ——— "

الحق واقعی اس تحسین کا سزاوار ہے یا نہیں، یہ تو اللہ کے علم میں ہے اور معلوم نہیں کہ ایک دور افتادہ دیہاتی مجلّہ کی کونسی ادا عسکری صاحب کو پسند آگئی تھی۔ مگر اسے بھی پروفیسر صاحب کی علم نوازی دینی ادب

اور اسلامی رسائل و مجلات سے گہری وابستگی اور تعلق کی دلیل کہنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ پروفیسر صاحب مرحوم کو اعلیٰ مدارج قرب سے نوازے۔ آمین

○ ابن انشاء کا وجود بھی ایسے وقت میں غنیمت تھا۔ جبکہ عصر حاضر کے مادی اور سفلی ادب کا دور دورہ ہے۔ اور بہت کم خدا کی دی ہوئی ادبی صلاحیتوں کو صحیح مصرف میں خرچ کیا جارہا ہے۔ ابن انشاء مرحوم نے اپنی ادبی استعداد کو معاشرہ کے فاسد مواد اور عناصر پر نشتر زنی کا ذریعہ بنایا اور فکاہت و ظرافت کے انداز میں مسئولیت خداوندی سے عہدہ برآ ہونے کی سعی کی۔ ان کی تنقید حکمت کا پہلو لئے ہوئے تھی ــــ وجادلهم بالتي هي احسن - ان کا پیش نظر رہتا۔ ناگوار معاملات پر خوشگوار انداز میں تنقید اور تبصرہ ان کا طغرائے امتیاز تھا۔ ایسی خوبیوں والے ادیب کم ہی ملیں گے۔

○ ۲۵ر جنوری ۷۷ء کی شام کو جناب حکیم عبدالخالق خلیق صاحب واصل بحق ہوگئے۔ عمر تریاسی ۸۳ کے لگ بھگ تھی۔ ۲۶ر جنوری بعد از نماز جمعہ پشاور میں ان کی تدفین ہوئی۔ ارباب علم و فضل اور مشاہیر نے جنازہ میں شمولیت کی موصوف کی وفات سے پشتو ادب کو بڑا سانحہ پیش آیا، پشتو زبان اور ادب سے آپ کو اتنا لگاؤ تھا، کہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ہر جلسہ میں کوئی سنتا یا نہ سنتا مگر آپ کا اصرار ہوتا کہ بجٹ تقریر بھی پشتو میں ہو۔ پشتو کی ترویج و فروغ کا ولولہ آخر دم تک تازہ رہا کئی پشتو کتابوں کے مصنف تھے پشتو شاعری میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے، ایک عرصہ تک سرحد کے پشتو ماہنامہ "پشتون" کے مدیر رہے۔ اس لحاظ سے آپ بابائے پشتو کہلانے کے مستحق ہیں۔ جدوجہد آزادی میں خان عبدالغفار خان صاحب کے سرگرم ساتھی تھے، سنجیدگی، وقار و متانت، صلابت و سلامت رائے آپ کی خاص صفات تھیں۔ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے بانی کے ساتھ آپ کا تعلق نہایت مستحکم اور دیرینہ رہا اس تعلق کی راہ میں اپنے سیاسی موقف کو بھی آڑے نہ آنے دیا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں یہ تعلق نہایت نازک موڑ پر آیا تو آپ نے اپنے پختہ سیاسی جذبات کی قربانی دیکر دارالعلوم اور اس کے بانی کو ترجیح دی، مجلس شوریٰ دارالعلوم کے اولین ارکان میں سے تھے۔ ۲۵، ۳۰ سال کے اس طویل عرصہ میں آپ سے صرف ایک میٹنگ مس ہوئی تو نہایت افسوس کرتے رہے کہ میرے تسلسل کی جو زنجیر تھی اس کی ایک کڑی کیوں ٹوٹ گئی۔ شوریٰ کے جلسوں میں اپنے پختہ اور مفید مشوروں سے رہنمائی کرتے رہے۔ ادبی اور علمی ذوق کی وجہ سے آپ کا ادارہ۔ اشاعت سرحد۔ ایک عرصہ تک قدیم و جدید کا سنگم بنا رہا۔ بلاشبہ آپ سرحد کے علمی ادبی سیاسی اور سماجی معماروں میں گنے جائیں گے۔ حق تعالیٰ ان کی وفات سے پیدا ہونے والی خلاء کو پُر فرمادے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل نصیب ہو۔

○ ۱۹، ۲۰ر محرم الحرام ۱۳۹۸ھ کی درمیانی شب ۳ بجے سحری کے وقت حیات ٹیچنگ ہسپتال پشاور میں

دارالعلوم حقانیہ کے ایک ایسے سابق مدرس انتقال فرما گئے جنہوں نے نہایت خاموشی سے ساری عمرِ عزیز اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تعلّم اور پھر درس و تدریس میں بسر کر دی ان کا نامِ نامی حضرت مولانا میاں محمد فیاض تھا۔ اور اس وقت وہ دارالعلوم سرحد پشاور میں مدرس اور پشاور کی ایک مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ وہ دارالعلوم حقانیہ کے اوّلین مدرسین میں سے تھے، دارالعلوم کے قیام کے ابتدائی سال تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ ہی دورۂ حدیث شریف کے علاوہ کچھ موقوف علیہ کتابیں بھی اکیلے ہی پڑھاتے رہے دوسرے سال یعنی یکم ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ سے حضرت مدظلہٗ کے ایک تلمیذِ رشید مولانا محمد شفیق صاحب فاضل دیوبند کو بھی تدریسی ذمہ داری سونپی گئی جو وفات ۲ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ تک پڑھاتے رہے، اور دارالعلوم کے تیسرے سال یعنی یکم محرم ۱۳۶۸ھ سے ہمارے مولانا محمد فیاض صاحب مرحوم بھی زمرۂ مدرسین میں شامل ہوئے ان ابتدائی سالوں میں دارالعلوم کا یہی کل اثاثہ تھا، مولانا مرحوم کی تقرری بھی ۱۵ روپے مشاہرہ پر ہوئی یہی دیگر مدرسین کا حال تھا کہ حسبۃً للہ یا برائے نام تنخواہ پر زہد و قناعت اور جانفشانی و یکسوئی کے ساتھ دارالعلوم کے شجرۂ طوبیٰ کی آبیاری کرتے رہے۔

مولانا محمد فیاض مرحوم بعض ذاتی عوارض کی بنا پر شوال ۱۳۷۱ھ میں دارالعلوم سے مستعفی ہو کر پشاور چلے گئے اور تا دمِ واپسیں وہیں مصروفِ درس و تدریس رہے، دورۂ حدیث آپ نے قیامِ پاکستان کے متصل بعد کے ہنگامی سال دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ سے پڑھا اور دیوبند جانے سے قبل آپ نے اکوڑہ خٹک میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے معقول و منقول کی کتابیں پڑھیں وطنِ اصلی ریاست دیر تھا، نمازِ جنازہ ۲۰ محرم ۱۳۹۸ھ کو بعد از نمازِ عصر پشاور میں پڑھی گئی اور قبرستان [illegible] میں سپردِ خاک کئے گئے۔ ایک خاموش، عابد و زاہد عالم اور جید مدرس کی وفات عمومی صدمہ ہونے کے علاوہ دارالعلوم کیلئے تو خصوصی طور پر موجبِ رنج ہے کہ وہ دارالعلوم کے قدیم اوّلین اساتذہ میں سے تھے اور ذاتی طور پر احقر کیلئے بھی کہ کئی ایک کتابوں میں مجھے بھی اُن سے تلمذ نصیب ہوا۔ حق تعالیٰ مرحوم کو درجاتِ عالیہ عطا فرما دے اور ان کے معصوم بچوں کا کفیل و کارساز ہو۔ آمین

۲۷ دسمبر ۱۹۷۷ء کو دارالعلوم کے شعبۂ تعلیم القرآن (مڈل سکول) کے استاذ جناب مولوی غلام محمد صاحب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم نے عمرِ عزیز کے ۲۴ سال دارالعلوم کے اس شعبہ میں مذہبی اور عصری مضامین پڑھانے میں خرچ کر دیئے۔ یہ زندگی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس لحاظ سے ان کا شمار اس درسگاہ کے محسن معماروں میں کیا جائے گا۔ دارالعلوم کے اس شعبہ کی یہ طویل ملازمت بھی اس انداز میں کہ [illegible] تنخواہ، زہد و قناعت بلکہ فقر و فاقہ کو ہنسی خوشی گوارا کیا اور ایک آدھ مرتبہ محکمۂ تعلیم کی اس سے اعلیٰ

ملازمت کو بھی یہ شعر کہتے ہوئے ٹھکرا دیا کہ ؎

ان دنوں ہے گرچہ دکن میں بہت قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

دارالعلوم حقانیہ کو اس کے موجودہ ترقیات اور علمی و دینی بلند مقام تک پہنچانے میں ایسے ہی مخلص، مست الست، اساتذہ، عملہ اور اراکین کا بنیادی حصہ ہے۔ اخلاص و قناعت، ایثار اور جذبۂ خدمت کے ایسے مظاہروں نے دارالعلوم کے نونہال پودے کو اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء۔ بنا دیا۔ اب یہی چیز ان کے حق میں صدقۂ جاریہ ثابت ہوگی، انشاء اللہ۔

اس طویل مدت تدریس میں اکوڑہ اور گرد و نواح کے بلاشبہ ہزاروں افراد نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہوگا، ان کی وفات دارالعلوم کے اس شعبہ (سکول) کے لئے ایک خلا ہے۔ ان کے بعد ان کی شرافت اور شفقت و محبت کے اوصاف نے سکول کے بچوں کو رلایا۔ نمازِ جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھایا اور دارالعلوم کے تمام شعبوں اور پورے سکول نے شرکت کی، اور ایصالِ ثواب کیا ——— قارئین سے ان تمام مرحومین حضرات کے رفع درجات کیلئے دعا کی امید کی جاتی ہے ———۔

○ ۲۰ محرم ۱۳۹۰ھ مطابق یکم جنوری کو ملک ایک اور جید عالمِ دین اور مایۂ ناز بزرگ کی برکات سے محروم ہو گیا، یعنی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی شجاع آبادی وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی تاریخ ولادت یکم رمضان ۱۳۱۳ھ ہے ——— آپ وقت کے اکابر علماء ہند اور مشاہیر دیوبند سے علوم ظاہری حاصل کئے اسی طرح ان کے مشائخ طریقت میں شاہ فضل علی قریشیؒ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے یگانۂ عصر ائمہ اصلاح و ارشاد شامل ہیں۔

عمر بھر درس و تدریس اور اشاعت علوم دینیہ کے ساتھ باطنی رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رکھا تلامذہ و متوسلین کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ آپ نے اپنے پیچھے تصوف و سلوک میں بڑی وقیع اور عالمانہ تصانیف و رسائل مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں چھوڑیں۔ گیارھویں پارہ تک قرآن کریم کی تفسیر بھی آپ کے باقیات صالحات میں ہے۔ آپ سادگی علم اور زہد و تقویٰ میں اکابر سلف کا ایک نمونہ تھے، حق تعالیٰ حضرت مرحوم کی برکات کو جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

دار العلوم حقانیہ

کی

زیر تعمیر لائبریری

عظیم الشان صدقۂ جاریہ میں حصہ لیجئے

★

پچھلے سال ہم نے دار العلوم حقانیہ کے شایان شان کتب خانہ کی مستقل عمارت کی ضرورت کیطرف اہل خیر اور صاحب درد مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی، اور یہ کہ یہ عمارت دار العلوم حقانیہ جیسے عظیم علمی مرکز کی تمام تحقیقی اور مطالعاتی ضروریات کے پیش نظر جدید طرز پر تعمیر ہونی چاہئے، اس کے ساتھ دار التصنیف، دار الافتاء، مؤتمر المصنفین، ماہنامہ الحق کے نئے دفاتر کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ سارا کام جو کئی لاکھ کے مصارف سے تکمیل پذیر ہوگا بحمد اللہ اس کا ایک حصہ مکمل ہو چکا ہے، اب عمارت کا اصل حصہ (کتب خانہ کی تعمیر) کا کام باقی ہے جو قلمی، مطبوعہ، درسی اور غیر درسی کتابوں اور دار المطالعہ کے الگ الگ حصص پر مشتمل ہوگا۔ سر دست توکلاً علی اللہ لائبریری کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے، اور اس وقت زیر تعمیر منصوبہ پر دو لاکھ مصارف کا تخمینہ ہے۔ دار العلوم کا سرمایہ محض اللہ پر توکل اور دینی درد سے بہرہ ور اہل خیر مسلمانوں کا جذبۂ تعاون ہے۔ اس اعتماد پر ہم تمام دردمند مسلمانوں کے جذبۂ اشاعت دین اور علم پروری کی بنا پر ملتمس ہیں کہ علمی زوال و انحطاط کے اس دور میں اس عظیم الشان کتب خانہ کی تعمیر میں حتی المقدور اور جلد از جلد دست تعاون بڑھائیں اور اپنے لئے صدقۂ جاریہ کا سامان پیدا کریں۔ اگر چند ہی مخلص حضرات اس تعمیری مد میں امداد فرمادیں تو یہ منصوبہ اسی سال انشاء اللہ تکمیل پذیر ہو سکے گا۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ——— اس سلسلہ میں بھیجی جانے والی رقومات کے ساتھ "برائے تعمیر کتب خانہ" کی وضاحت ہونی چاہئے۔

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور، پاکستان

ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ
ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

قرآن کریم کی تشریح و تفسیر

حدیث قرآن کی اولین شرح ہے

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے جنوری ۱۹۶۹ء میں اپنے سفر مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں ۸ر جنوری کو ڈھاکہ کے مدرسہ امداد العلوم میں علماء اور مشائخ کی موجودگی میں جلالین شریف کے ابتدائی درس سے تعلیمی سال کا افتتاح فرمایا تھا۔ ذیل میں وہ خطاب قارئین کے افادہ کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ "ادارہ"

★

جلالین شریف جس کو ہم شروع کر رہے ہیں، یہ علم تفسیر کی کتاب ہے، تفسیر فسر سے ماخوذ ہے اور فسر، الاطلاع بمراد اللہ تعالیٰ ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ کی مراد سے مطلع ہو جانا کہ فلاں آیت کا مقصد، مراد اور مدلول کیا ہے۔؟ حضرت شاہ ولی اللہ الدھلوی رحؒ نے کچھ تعمیم فرمائی ہے کہ آیت کا مضمون سیاق و سباق سے بھی مخالف نہ ہو اور قرآن میں کہیں دوسری جگہ مذکور ہو تو اس کی مراد اور الفاظ کے معانی یا مجاز متعارف کو بھی نہ چھوڑا جائے تو شاہ صاحب کے نزدیک وہ تفسیر ہے۔ متقدمین کی تعریف بیان ہو چکی آج ہم فتنوں کے دور سے گذر رہے ہیں۔ اور آپ جب باہر قدم رکھیں گے۔ تو پتہ چلے گا کہ دین کے اندر کن کن طریقوں سے لوگ تحریف کر رہے ہیں۔ مثلاً انکار حدیث اور اسکی صحت سے انکار۔ اور رہا قرآن تو اس کے الفاظ سے تو بظاہر انکار نہیں کر سکتے مگر اس کے مرادات کو جو علماء بیان کرتے ہیں جو ماثور ہیں۔ اس سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت تو محض ایک ڈاکیہ کی تھی۔ اب ہر شخص کو قرآن کے مراد کو متعین کرنے کا حق ہے۔ اور یہ علم تفسیر کا جو ہے۔ اسے نعوذ باللہ بعد کے علماء نے مخترع کیا ہے۔ اور یہ ذہنی مخترعات ہیں۔ ایسا کر کے یہ لوگ قرآن معنوی تحریف کیلئے راستے نکال لیتے ہیں کہ جو جی میں آئے اسے قرآن سے مستنبط کرنے کا راستہ کھلا ہو

کیا واقعی یہ تفسیر بعد کی ایجاد ہے ؟ اور کیا یہ حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھی ۔؟ تو یہ باتیں ان لوگوں کی سراسر غلط ہیں۔ الاطلاع بمراد اللہ تعالیٰ تفسیر ہے۔ جب حق تعالیٰ خود اپنی مراد بیان نہ کرے تو پھر ہم اس مراد کو کس طریقہ سے سمجھ سکتے ہیں۔ اگر ایک انسان دل کو کسی انسان کے دل سے اور سینہ کو سینہ سے پیوست بھی کر دے تب بھی ایک دوسرے کی مراد اور مقصد کو ہرگز نہیں سمجھ سکے گا۔ تو خداوند قدوس کی مراد اور مقصد کو بغیر بیان کے کیسے سمجھا جاوے گا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ قرآن کو آسمان سے کسی پہاڑ یا اونچے مکان پہ نازل کر دیا جاتا اور لوگ دیکھ لیتے کہ کتاب اوپر سے گر کر آگئی ہے۔

——— تو پیغمبر کے بھیجنے کی ضرورت کیا تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا اور حضور اقدسؐ کے ذریعہ وحی نازل فرمائی تو اب اس قرآن مجید کے معنی اور مدلول بھی وہ نہیں ہوگا۔ جو آج کل پرویز یا فضل الرحمان یا کسی کالج کا گریجویٹ متعین کرے گا۔ کہ یہ ہے اور یہ نہیں بلکہ وہ ہوگا جسے حضور اقدسؐ متعین فرمایا۔ جس کا بیان جلالین بیضاوی، تفسیر کبیر در منثور ابن کثیر اور روح المعانی میں ہے اور جو معانی صحابہ کے ذریعہ ہم تک پہنچ چکے ہیں اور یہ تفاسیر سلف سے منقول ہیں۔ اور یہ چیز کہ یہ حضورؐ کے متعین کردہ معانی ہیں اور آپ اس کی تشریح فرماتے تھے، اس کا ثبوت خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم۔ اور ہم نے تیرے پاس قرآن مجید اتارا کہ آپ ان لوگوں کو بیان کردیں جو چیزیں ان کی طرف نازل کی گئی ہیں تبیین کسی چیز کی وضاحت کو کہتے ہیں۔ اور دوسری جگہ ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ۔ الآیۃ ——— وہ ذات جس نے امیین میں رسول کو بھیجا۔ عرب امی قوم تھی اور امی کی جہالت، جہالت بسیطہ ہوا کرتی ہے۔ نہیں سمجھتی تو اپنے نہ سمجھنے کو سمجھنا نہیں کہہ سکتی اور اس وقت دنیا کی اور قوموں کا جہل جہل مرکب تھا۔ اپنے جہل پہ اڑے ہوئے تھے۔ ضدی تھے۔ اور اپنے آپ کو سمجھدار بھی سمجھتے تھے۔ جیسے ہمارے زمانہ کا انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو دین سے بالکل نابلد ہونے کے باوجود سمجھنے کے جہل میں مبتلا رہتا ہے۔

عرب کی جہالت ایسی نہ تھی بلکہ کوئی اپنی ماں سے مرتبۂ جیولانی میں پیدا ہو تو جہل بسیط کی اصلاح آسان ہوتی ہے اور دوسرے کی بہت مشکل اسکی مثال ایسی ہے کہ لکڑی کی تختی پہ کوئی غلط چیز لکھی گئی۔ تو پانی یا مٹی مل لیں تو وہ دوبارہ صاف ہو جائے گی۔ اور ایک تختی لوہے کی ہے، پیتل کی ہے، پھر اس پہ حروف بھی کندہ ہوں تو اسکی غلطیوں کی اصلاح نہ صابن سے ہوگی نہ مٹی سے بلکہ اسطرح دھلنے سے اور بھی واضح اور نمایاں ہوگی، مٹے گی نہیں۔ اس کے مٹانے کی ایک صورت ہے کہ اسے آگ میں ڈال کر اسکی شکل مٹائیں نرم ہو تو دوبارہ تختی پہ نقش کرائیں۔ تو ایک ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ : ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ

ولهم عذاب عظیم ۔ (اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پہ اور کانوں پہ مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں ۔)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ : سوائٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون ۔ (برابر ہیں ان کے حق میں اگر آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے ۔

یہ جہل مرکب ہے جو چیز ان کے دل پر ثبت ہے ، اسے مٹاؤ اور اس کے لئے جہاد کرو اور جہل بسیط والا شخص جب ایک چیز کو بھلائی اور ہدایت سمجھے تو فوراً اسے اختیار کرے گا۔ اس وجہ سے یورپ زدہ دماغوں کی اصلاح مشکل اور بعض اوقات ناممکن ہوتی ہے۔ وہ مسخ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اللہ نے اسی لئے یورپ میں نبی نہیں بھیجا۔ اور اس زمانہ کی مہذب حکومتوں کسریٰ اور قیصر کی حکومتوں میں بھی نبی نہ بھیجا۔ بلکہ ان امیین میں جو جہل بسیط میں مبتلا تھے، اس لئے ان میں بھیجا کہ ان کی اصلاح ممکن تھی اور اس وجہ سے ان امیین میں ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم جیسے نکلے ۔

یتلوا علیھم آیاتہ ۔ کے بعد نبی کا دوسرا کام یہ تھا کہ : ویزکیھم ۔ کہ شرک و بدعت اخلاق سیئہ ذمیمہ سے ان کا تزکیہ کراتا ہے ، برے عقائد سے روکتا ہے ۔ اور پاکیزہ اخلاق سکھاتا ہے ۔ یہ ہے تزکیہ آگے تعلیم کتاب کا ذکر ہے۔ کہ : ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ۔ کہ تعلیم سے پہلے تزکیہ ہے تو تعلیم سے پہلے اپنے قلوب کو صاف اور پاک کر دینا چاہئے ۔ برتن صاف ستھرا ہو تو دودھ اور گھی جو بھی ڈالیں سب صاف ستھرا رہے گا ، اور پلید ہو تو سب پلید ہو جائے گا کہ نتیجہ تابع اخس ارذل کا ہوتا ہے ۔ تو تلاوت کے علاوہ ایک ہے تعلیم یعنی کتاب کے مضامین کو متعین کرنا اور الحکمۃ میں اسرار و لطائف قرآن اور عام سنت و حدیث آ گیا اسی طرح دوسری آیت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ کہ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ۔ تمہیں اس لئے قرآن دے کر بھیجا کہ آپ اس کا بیان اور اسکی وضاحت کریں ۔

حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا کہ : من یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ۔ الآیۃ کا مطلب کیا ہے ۔؟ شرح صدر کا ظاہری معنی تو کسی چیز کو کھول دینا ہے ۔ اب لفظی معنی تو مراد نہیں سینے کی ظاہری کشادگی کا کیا مطلب ؟ تو صحابہؓ نے شرح صدر کے بارہ میں حضور اقدس سے دریافت فرمایا ۔ تو آپ نے فرمایا! نور یقذف فی القلب ۔ (الحدیث) دنیاداری سے نفرت دنیا سے جو قلیل اور حقیر چیز ہے بے تعلقی اور موت کیلئے تیاری دل کی نورانیت ۔ یہ ہے شرح صدر جسے حضورؐ نے بیان فرمایا ۔

اسی طرح بخاری شریف میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور سے اس آیت کے بارہ میں دریافت کیا ۔ الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون ۔ جنہوں نے ایمان کے ساتھ ساتھ

ظلم غلط نہ کیا وہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں تو صحابہؓ کرام نے دریافت کیا کہ حضورؐ! ظلم تو گویا وضع الشیئ فی غیر محلہ کو کہتے ہیں تو ہم میں سے کون سا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو ہم میں۔ تو مھتدون۔ کا مصداق کون رہے گا۔؟ قالوا یارسول اللہ اینّالم یظلم نفسہٗ۔ ہم میں سے کس نے اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا۔؟ تو حضور اقدسؐ نے وضاحت فرمائی کہ ظلم سے مراد شرک ہے عام گناہ نہیں جو شرک سے بچ گئے وہ مھتدون ہیں۔ تو حضورؐ نے آیت کی تشریح نہ فرمائی ہوتی تو از خود معانی کا یقین صحابہؓ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ: امتث علی قراءۃ البقرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے صرف سورہ بقرہ حضورِ اقدسؐ سے آٹھ برس میں پڑھی۔)

تو عربی تو ان کی اپنی زبان تھی، ظاہر ہے کہ انہوں نے جو پڑھا تفسیر ہی تھا۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ ہمارا طریقہ یہ تھا کہ ہم دس آیات پڑھ لیتے تو پھر اس پر جمے رہتے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے عمل کرتے پھر دوسرا اور پھر تیسرا سبق لیتے۔ حتی یحصل لنا العلم والعمل۔ اس طرح ہمیں علم اور عمل دونوں حاصل ہو جاتا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ نے حضورؐ سے قرآن کے سمجھنے میں کافی عرصہ گذارا حقیقت یہ ہے کہ اگر حضورؐ قرآن کی تفسیر نہ کرتے تو آج اسے کون سمجھتا۔ اگر حضورؐ کی توضیح و تشریح شامل حال نہ ہو تو صلوٰۃ کا معنی اس کے اوقات فرائض و مستحبات اور واجبات کا علم کیسے ہوتا۔ تو حضورؐ نے قرآن کی تفسیر قولاً و عملاً فرمائی اس کا نام ہے سنت اور حدیث اور جو شخص اسے نہیں مانتا وہ درحقیقت منکر قرآن ہے اور جو قرآن نہیں مانتا وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا منکر ہے۔ جس کا ارشاد ہے کہ: نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ قرآن کے الفاظ کے لئے خدا نے حفاظ پیدا کئے لب و لہجہ کے لئے قرآء پیدا کئے اور مدلول و مراد کے لئے علماء حق اور مشائخ اور مفسرین کو پیدا فرمایا۔ لوگ انہیں جتنا بھی حقیر سمجھیں مگر یہ تو اللہ کا انتخاب ہے جسے منتخب فرمائے تم خوش قسمت ہو خدا نے تمہیں یہاں اس لئے جمع کر دیا کہ اللہ کے مرادات کو سمجھیں، پڑھیں یہ اللہ کی جانب سے ایک بڑا انعام ہے۔ یمنّون علیک ان اسلموا قل لا تمنّوا علی اسلامکم بل اللہ یمنّ علیکم ان ھداکم للایمان ـــ اللہ نے آپ کو اساتذہ اور حضرت مہتمم صاحب کو اس خدمت کی توفیق عطا فرمائی اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

مادیّت زدہ انسان کیلئے نجات کا راستہ

امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں خطاب

۶؍جون ۷۷ء کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے ڈیونیٹی کالج ہال میں خطاب جس کا انگریزی ترجمہ مزمّل حسین صدیقی ندوی نے کیا، تعارفی تقریر اور اناؤنسر کے فرائض مدثر حسین صدیقی نے انجام دئے۔ جلسے میں یونیورسٹی کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبہ نیز مختلف سے آئے ہوئے مندوبین کی کثیر تعداد شریک تھی تقریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے مشتاق بھوپالی طالب علم دار العلوم ندوۃ العلماء نے قلمبند کی۔ ہم اسے بشکریہ "تعمیر حیات لکھنؤ" نذر قارئین کر رہے ہیں —— "ادارہ"

بڑا خوش بخت اور بڑا بدقسمت

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل سافلین۔

میرے دوستو اور بھائیو! میں اپنی آج کی گفتگو کا آغاز ایک ایسے جملہ سے کرنا چاہتا ہوں جسکی طرف رہنمائی ان ہی آیتوں سے ہوئی جو ابھی پڑھی گئیں اور یہ ایک طرح کا القاء کہئے کہ مجھے اس سے آپ سے بات کرنے کا راستہ مل گیا، میں اپنی تقریر کا آغاز ایک ایسے جملہ سے کرتا ہوں جو شاید آپ کے لئے اور بہت سے پڑھے لوگوں کے لئے خلاف توقع اور چونکا دینے والا ہو، مغرب کا یہ خطہ جو یورپ سے امریکہ تک پھیلا ہوا ہے یہ بڑا خوش قسمت ہے اور بڑا بدقسمت۔ آپ ایک ہی جملہ میں اتنے بڑے تضاد کو سن کر تعجب کریں گے لیکن ابھی آپ کے سامنے جو آیت پڑھی گئی ہے وہ خود ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان کرتی ہے اور وہی واقعہ اس خطۂ زمین کا ہے جسکو خدا نے دنیا کی قیادت عطا کی، بہت سے ایسے اسباب کی بناء پر جسکی تفصیل مشکل ہے۔ اور میں نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (ISLAM AND THE WORLD) اس کے انگریزی ترجمہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کہ مغرب کو قیادت کیسے حاصل ہوئی، جو انسان کا معاملہ ہے وہی تقریباً اس خطۂ زمین کا معاملہ ہے۔ ایک ہی وقت میں بڑا خوش قسمت ہے اور بڑا بدقسمت بھی، اور کاش کہ واقعہ

اتنا ہی ہوتا کہ یہ اپنی ذات سے خوش قسمت اور بد قسمت ہوتا تو کوئی بڑی ٹریجڈی اور کوئی بڑا سانحہ نہ ہوتا، تاریخ انسانی میں ہمیں ایسی قوموں اور ملکوں کا سراغ ملتا ہے جو اپنی ترقی کے نقطۂ عروج پہ پہنچ گئے تھے پھر اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اور وہ بام ثریا سے گر کر تحت الثریٰ میں پہنچ گئے، اگر یہ ایک تنہا ملک کا معاملہ ہوتا تو ہمیں اس سے دلچسپی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن جب کسی ملک کو قیادت کا مقام حاصل ہو اور وہ دنیا کے حالات پر اثر انداز ہو اور اسکی خوش قسمتی اور بد قسمتی انفرادی نہ رہے کسی خطہ تک محدود نہ ہو بلکہ اس کا اثر دور دور پڑے، انسانیت اور قسمت انسانیت پر پڑے تو واقعہ کی سنگینی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اگر مغرب کا یہ خطہ جو یورپ سے شروع ہو کر امریکہ پہ ختم ہوتا ہے۔

----- اگر یہ اپنی ذات سے خوش قسمت اور بد قسمت ہوتا تو ہمیں اور آپ کو اور دنیا کے رہنے والوں کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ اس کو قیادت کا مقام حاصل ہے اسی سے اس کی خوش قسمتی اور بد قسمتی صرف اس کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پوری انسانی قوموں اور انسانی مجموعہ پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ آپ غور کریں گے کہ میں ایک وقت ہی میں نہیں بلکہ ایک سانس میں اس کو خوش قسمت بھی اور بد قسمت بھی کہہ رہا ہوں آپ کو اسکی وجہ پوچھنے کا حق حاصل ہے۔

خوش قسمت اس وجہ سے کہ خدا نے اسکو اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا، یہاں کے رہنے والوں کو ایسی قوت ارادی، ایسا جوش عمل، ایسی ذہانت، ایسا کام کرنے کا جذبہ، ایسی توانائی عطا کی کہ اس نے اس زمین کو جنت کا نمونہ بنا دیا خدا کی قدرت کے رازوں کا انکشاف کیا، کائنات کی قوتوں کو مسخر کیا۔ اقبالؒ کے الفاظ میں، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا، ستاروں کی گذرگاہوں کو دریافت کیا۔ اس نے اس مٹی کو سونا بنا دیا۔ اب یہ زمین سونا اگلتی ہے، یہاں کی فضا سے من برستا ہے، اور یہاں بائیبل کی زبان میں دودھ اور شہد کے دریا بہتے ہیں، یہ نتیجہ ہے ان قوموں کے جوش عمل کا، ان کے جذبۂ مسابقت کا، ان کی بے چین فطرت کا۔ اور ان کے نہ تھکنے والے نہ ہارنے والے عزم کا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس خطۂ زمین کو جو یورپ سے یہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ قدرتی دولتوں سے مالا مال کیا، خدا کے جتنے خزانے ہیں وہ سب کے سب یہاں موجود ہیں، اور پھر موجود ہی نہیں بلکہ یہاں وہ ہاتھ بھی موجود ہیں جو ان خزانوں کو برآمد کریں اور قدرت کی دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اس لحاظ سے یہ ملک بڑا خوش قسمت ہے۔ اور اس نے اپنی خوش قسمتی کا سکہ صرف اس ملک کے رہنے والوں پہ نہیں بلکہ ساری دنیا پہ بٹھا دیا ہے اور آج ساری دنیا ان کی دریوزہ گر ہے۔ دنیا کی ہر قوم ان کے سامنے جھولی پھیلائے ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے اور بھیک مانگتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا ان کے دروازہ کی سائل بنی ہوئی ہے۔

اور انہوں نے اپنی ذہانت سے اپنے حسنِ تنظیم سے زندگی کو اس طرح منظم کیا، جسطرح انہوں نے ان طاقتوں سے فائدہ اٹھانے کا سبق سیکھا ہے۔ اس سے ساری دنیا فیض پا رہی ہے، انہوں نے مادی اور اقتصادی طور پر اپنی افادیت اور ذہنی صلاحیت کا سکہ قائم کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے آپ ان کو خوش قسمت کہیں، اس میں ذرا مبالغہ نہیں، اور اس کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں، اگر ہم ہندوستان میں، مصر میں، سعودی عرب میں، مشرق کے کسی ملک میں ہوتے تو اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت تھی مگر ہم اور آپ یہاں بیٹھے ہیں اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ؎

عیاں را چہ بیاں

ہم یہاں موجود ہیں اور خود اس ملک کی دولت سے اور آسائشوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں اس لحاظ سے آپ اسکی خوش قسمتی پہ جتنا رشک کریں اور اس خوش قسمتی کی جتنی داد دیں اور جتنا سراہیں سب بجا ہے۔ میں کسی عصبیت کو جائز نہیں سمجھتا کہ اسلامی تعصب سے، اسلامی تعصب تو نہیں ایشیائی تعصب سے قومی تعصب سے نسلی تعصب سے کام لیں۔ یہ ایک حقیقت ہے، روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ملک بد قسمت ہے۔ یہ الفاظ میں تو بڑی جرأت کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور بہت سے بھائیوں کے لئے یہ اجنبی اور نامانوس ہوں گے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے یہ واقعہ ہے کہ یہ ملک بد قسمت ہے۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

اس ملک کی نہیں بلکہ انسانیت کی یہ بد قسمتی ہے کہ اس ملک نے مادی میدان میں جو فتوحات حاصل کیں اور اس میں جو ریکارڈ قائم کیا اور جسطرح اس نے اس زمین کو گلزار، لالہ زار بنا دیا، اور اسکو جنت کا ایک نمونہ بنا دیا۔ بڑی خوش قسمتی کی بات ہوتی اور دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی اگر اس خطۂ زمین کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی اور اسکو دین صحیح کی نعمت مل ہوتی، اور جسطرح اس نے مادیات کیطرف توجہ کی اخلاقیات کیطرف توجہ کرتا، اور جسطرح اس نے آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھی ہیں۔ اور "سنریہم آیاتنا فی الآفاق۔" پہ عمل کیا ہے ویسے ہی "الفنس" خدا کے پیدا کئے ہوئے دل، عطا کی ہوئی روح، اور لطیف احساسات میں بھی خدا کی نشانیاں دیکھتا اور دنیا کو دکھاتا اور اس کی ذہانت صرف اس پہ مرکوز نہ رہتی کہ وہ قدرت کے رازہائے سربستہ فاش کرے بلکہ وہ اپنے دل اور روح کے اسرار سے اور انسانی دل کی گہرائیوں سے بھی واقف ہوا اور اس کو معلوم ہو کہ جتنی یہ کائنات وسیع نظر آتی ہے۔ اور سیاروں کا اس نے جو رقبہ اور حجم دریافت کیا اور جن جن چیزوں کا انکشاف کیا اور اب آخر میں چاند پہ پہنچ کر ایک اور نئی فتح حاصل کی ہے اگر اسی تناسب سے یا اس سے بہت کم تناسب سے انسانی روح کی حقیقت کی طرف توجہ

کرتا اور اسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوتی اور انسانی قلب کی وسعت، طاقت، حرارت، محبت اور اسکی لطافت اور معصومیت، بے لوثی اور بے غرضی کو بھی اگر یہ ملک معلوم کرتا، اور اس قلب کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے اندر کی طاقتوں سے آشنا ہوتا، اور ان سے کام لینے کی اس کو توفیق ہوتی تو اس کو معلوم ہوتا کہ یہ پوری کائنات اگر دل کے اندر ڈال دی جائے تو گم ہو جائے، جس طرح ایک حقیر کنکری بحر اوقیانوس میں ڈال دی جائے اور اس کا پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی۔ اس طرح یہاں کے مغربی انسان کو اس کا علم ہوتا کہ قلبِ انسانی میں کتنی گہرائی ہے، کہ اگر کائنات اس میں ڈالدی جائے تو پتہ بھی نہ چلے کہ کہاں گئی، اس ملک کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا کہ انسان کیا ہے۔ اس کو تو جمادات، حیوانات، نباتات کا مقام معلوم ہے۔ کیمسٹری پر، بیالوجی پر، ذیولوجی پر اس نے جو محنت کی ہے اور اپنی ذہانت صرف کی ہے۔ اور جس کی ذہانت کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزاہ الجزاء الاوفاء ؕ

فرمایا: " کلاً نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وما کان عطاء ربك محظوراً۔ "

انسان اپنی کوشش کے لئے جو میدان بھی انتخاب کریگا خدا کامیابی دے گا۔ کہیں کوئی راشننگ نہیں ہے۔ کوئی بندش نہیں ہے، کہ یہاں سے آگے تم ترقی نہیں کر سکتے۔

نیچرل لاز اور فزیکل یونیورس پر مغرب نے جو محنت صرف کی ہے، اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ کہ یہ کائنات سمٹ کر رہ گئی ہے اور انسان نے اپنے مقاصد و مفادات کے لئے اس کو مسخر کرلیا ہے۔ اسی طریقہ سے روح، قلب اور ایمان ولیقین پر یہ ملک محنت کرتا اور ذہانت صرف کرتا تو اس کو انسانیت کا صحیح مقام معلوم ہوتا۔ اس کو ایک حیوان کا فائدہ معلوم ہے، ایک جانور اور ایک درخت پر جب اس نے محنت کی تو اس نے درخت سے وہ برآمد کیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طریقہ سے دواؤں کے خواص اور جتنی بھی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں ان کی حقیقت کیطرف جب اس نے توجہ کی تو نئے عالم دریافت کئے، پہلے تو اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم ماننے میں لوگوں کو بہت ہی اشکال تھا اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ اس دنیا کے علاوہ اور بھی دنیائیں ہیں تو کلیسا نے انہیں بڑی سزائیں دیں، لیکن اب ہر چیز میں نئی نئی دنیا دریافت ہو رہی ہے۔ اسی طرح اگر اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا۔ اگر شرفِ انسانی سے یہ واقف ہوتا کہ خدا نے انسان کو کیا درجہ دیا اور اس کا کیا مقام ہے۔ تو آج دنیا کی قسمت کچھ اور ہوتی دنیا کے حالات کچھ اور ہوتے۔

مناسب ترین مذہب | اس دنیا کی تاریخ میں دو واقعات ایسے پیش آئے جنہوں نے اس ملک کو اس نعمت سے محروم کر دیا، اور یہ المیہ پیش آیا نہ صرف مغرب کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے ایک توبہ کہ اس خطۂ زمین کو عیسائیت ملی۔ اس میں ہم مسلمانوں کی بڑی کوتاہی ہے۔ اور ہم اس کا جتنا بھی ماتم کریں وہ بالکل حق بجانب ہے کہ اس ملک کے لئے اس خطۂ زمین کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا جو انسانی قوتوں کو بیدار کرتا ہے، جو عقل انسانی کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ جو عقل سے کام لینا سکھاتا ہے۔ جو انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ اپنی عزت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا۔ جو کہتا ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم و حملناھم فی البر والبحر و رزقناھم من الطیبٰت۔ (بنی اسرائیل) وہ کہتا ہے کہ ہم نے انسان کو بڑا اعزاز بخشا، ہم نے اس کا بڑا رتبہ بلند کیا، ہم نے اس کو زمین اور آسمانی طاقتوں کا راکب بنایا، شہسوار بنایا، اور ہم نے اس کو بڑی نعمتیں عطا کیں، اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ وہ کہتا ہے، انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ میں زمین میں انسان کو خلیفہ بنانے والا ہوں، وہ انسان کے سر پر خلافت کا تاج رکھتا ہے۔ جو آخری چیز ہوسکتی ہے اسلام کی بنیاد توحید ہے، اس دنیا میں خدا کا نائب ہے۔ اور پھر انسان کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے آگے انسانیت کی بلندی کا تصور نہیں ہوسکتا چنانچہ ایک حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان سے کہے گا کہ اے انسان میں بیمار ہوا تھا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا تو وہ کہے گا کہ اے بار خدایا آپ کو بیماری سے کیا مطلب آپ ان سب چیزوں سے بالاتر ہیں، تو ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کیلئے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تو وہ کہے گا کہ آپ کو بھوک سے کیا نسبت اور اس سے آپکا کیا واسطہ۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو اگر اس کو کھلاتا تو مجھے پہنچتا۔

اے میرے بندے میں برہنہ تھا تو نے مجھے کپڑے نہیں پہنائے تو وہ کہے گا آپ کیا کہہ رہے ہیں، ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ برہنہ تھا اگر تو اس کو کپڑے پہناتا تو مجھے پہنچتے۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کو اعزاز نہیں بخشا جا سکتا اور اس سے بلند تصور نہیں کیا جا سکتا اور پھر اسلام یہ بتاتا ہے انسان پیدائشی طور پر بے گناہ ہے، اس کی فطرت صالح ہے، اس کی تختی بالکل سادہ ہے۔ "کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھوّدانہ وینصرانہ ویمجسّانہ"۔ ہر بچہ ماں کے پیٹ سے بالکل معصوم بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ کا یہ کارنامہ ہے۔ کہ کبھی اس کو یہودی بنا دیتے ہیں، کبھی عیسائی بنا دیتے ہیں اور کبھی مجوسی، اس پر اپنا رنگ چڑھاتے ہیں۔

لیکن انسان جو پیدا ہوتا ہے۔ وہ صبغۃ اللہ، خدا کا رنگ لے کر آتا ہے۔ اور اسلام یہ بتاتا ہے کہ انسان کی اصل جو ہے وہ طاعت ہے، انسان کی فطرت میں سلامتی رکھی ہوئی ہے، اگر اس کو فطرت پر چھوڑ دیا جائے جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ بعض بعض کھلونے ہوتے ہیں اگر آپ ان کو چھوڑ دیں تو وہ الٹ جائیں اور ہر چیز اپنے مرکز کیطرف جاتی ہے۔ تو انسان اپنی ذات سے صحیح راستہ اختیار کرتا ہے، یعنی اس کی فطرت صحیح رہنمائی کرتی ہے، اس کی فطرت میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن یا کجی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں، کہ قرآن میں آتا ہے اور بہت کم لوگوں کو غور کرنے کا اتفاق ہوا ہو، لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت۔" یعنی انسان کے لئے وہ چیز مفید ہے جو اس نے کمائی، اور انسان کے لئے نفس انسانی کے لئے وہ چیز مضر ہے، جو اس نے بہ تکلف کمائی، یعنی انسان کو نیک کام کرنے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں اس کو اپنی فطرت سے لڑائی کرنے کی ضرورت نہیں۔ "لہا ما کسبت" میں "کسبت" یہ مجرد کے صیغہ سے آیا ہے، اور "اکتسبت" مزید فیہ کے صیغہ سے آیا ہے۔ اس میں تکلف شامل ہے، باب افتعال سے یعنی جو اس نے اچھا کام کیا خدا کی مرضی کے مطابق تو اس کی عین فطرت کے موافق تھا اور جو اس نے غلط راستہ اختیار کیا تو وہ فطرت کے خلاف تھا، اس کو اپنی فطرت سے لڑائی کرنی پڑی، اپنی فطرت سے انحراف کرنا پڑا، اس کو ایک مجاہد کا کام کرنا پڑا، اس سے بڑھ کر انسانی فطرت کے متعلق کیا سند ہو سکتی ہے کہ جو انسان کا صحیح کام ہو وہ اسکی فطرت کا تقاضا اور جو غلط کام کیا تو گویا اس نے اپنی فطرت سے بغاوت کی۔

—— تو اس ملک کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا، اگر اس ملک کا اور اسلام کا سنجوگ ہو جاتا یعنی ایک جائز رشتہ قائم ہو جاتا تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی، ایک طرف اس خطۂ زمین کے لوگوں کی توانائی، اُبلتی ہوئی طاقتیں جو جوش مارتی ہیں، جسطرح فوارہ ابلتا ہے۔ ان کے اندر کام کرنے کی لامحدود طاقت ان کو کسی چیز پر چین نہیں ہے، یہ ستاروں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، سمندر کھنگال کر اس سے موتی نکالنا چاہتے ہیں، انہوں نے بے جان چیزوں میں جو جان ڈال دی ہے، ایک طرف ان کی توانائیاں ان کی بے چین فطرت، ان کے ملک کی شادابی اور قدرتی دولتوں اور اسلام کی راہ اعتدال، اسلام کی حوصلہ افزائی اسلام کا دین فطرت ہونا، اسلام کا اپنے اوپر اعتماد پیدا کرنا کہ انسان اپنی ذات سے بے گناہ ہے، وہ ماں کے پیٹ سے بالکل بے گناہ پیدا ہوتا ہے، اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ ایک عارضی چیز ہوتی ہے۔ جیسے ہی وہ توبہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زنگ جو اس پر لگ گیا ہے، وہ نکل جاتا ہے۔ توبہ کوئی مجبوری کی چیز نہیں بلکہ وہ عین اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اندر سے وہ چیز ابھرتی ہے، باہر سے نہیں آتی، اس لئے توبہ کرنے والوں کا بڑا مقام بتایا گیا ہے۔ تو اسلام جو انسانی قوت میں اضافہ کرتا ہے، انسان کی ہمت افزائی

کرتا ہے اور انسانی قوت کو ابھارتا ہے وہ دین توحید ہے۔ اس میں کہیں تخیلات پروری نہیں ہے۔ وہ حقائق پر مبنی ہے، وہ ایسا عام فہم اور بدیہی مذہب ہے۔ جس کو ہر سلیم الفطرت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، وہ انسانی زندگی کو بیڑیاں نہیں پہناتا کہ انسانی زندگی مقید ہو کر رہ جائے وہ علم کی راہ نہیں روکتا بلکہ علم کو ایک مقدس عبادت قرار دیتا ہے، وہ انسان کو دعوت دیتا ہے۔ "وفی انفسکم افلا تبصرون" وہ کہتا ہے: "الذین یتفکرون فی خلق السموٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا" اور "سنریھم آیاتنا فی الآفاق" وہ انسان کو دعوت تفکر دیتا ہے وہ انسان کو عقل سے کام لینے کو کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا۔ جس کا میں نے ذکر کیا، اسکی ساخت ایسی ہے۔ اور ایک طرف یہ ملک جو طاقتوں سے بھرا ہوا ہے تو اگر وہ ایک دوسرے کا تعاون کرتے تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن بدقسمتی ہے صرف اس ملک کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی نوع انسانی کی اور خاص طور پر ہمارے اس دور کی، اس ملک نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ اس ملک کو بتاتا ہے۔ انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے، وہ انسان کے اندر گناہ کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ایک قسم کی مایوسی کہ یہ اسکی قسمت ہے۔ اور قسمت بدل نہیں سکتی یعنی اس کا یہ جنم کا روگ ہے، وہ جنم کا گنہ گار ہے، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے غلطی ہو جائے اور وہ سمجھے غلطی ہوئی اور اسکی وہ تلافی کر دے، لیکن انسان کے اندر یہ عقیدہ بٹھا دیا جائے کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا احساس کمتری میں پیدا ہوگا۔ تو ایک تو بدقسمتی یہ تھی کہ اس ملک نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ مذہب اسکی انسانیت پر دھبہ لگاتا ہے اور داغدار بنا کر پیش کرتا ہے، اور پھر اسکو ایک خارجی مدد چاہیئے۔ یعنی جو اس کا کفارہ بن کر اس کے گناہوں کو معاف کروائے، پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں رہبانیت اور ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا۔

کلیسا نے علم و عقل کی راہ روکی دوسری بدقسمتی یہ تھی کہ جب کلیسا صاحب اقتدار تھا تو کلیسا نے علم و عقل کی راہ روکی، جب یورپ بیدار ہو رہا تھا، اور وہ یہ زنجیریں توڑ رہا تھا تو کلیسا ایک دیوار بن کر کھڑا ہو گیا اس نے ہر چیز کو اپنے فیتے سے ناپنا شروع کیا۔ اور ہر چیز کی سند بائیبل سے تلاش کرنا شروع کی اس نے زمین کی کرویت کا خیال پیش کیا تو کلیسا نے اس کی مخالفت کی، اس نے تعدد عوالم کا نظریہ پیش کیا کہ یہی دنیا نہیں بلکہ اور دنیائیں بھی ہیں، تو کلیسا نے اس کو کفر قرار دیا، ارتداد قرار دیا، اس نے بتایا کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے تو کلیسا نے فتویٰ لگایا۔ پھر کلیسا نے عدالتیں قائم کیں اور جو لوگ اس کا نشانہ بنے گذشتہ جنگ عظیم کے مقتولین سے کسی طرح ان کی تعداد کم نہیں بتائی گئی، یہ دو چیزیں ایسی جمع ہو گئیں کہ جس سے اس ملک کا رخ بالکل مادیات کی طرف ہو گیا۔ ایک طرف اس کے اندر ایک مذہب سے نہیں

بلکہ مطلق مذہب کیطرف سے بے اعتمادی اور ایک طرح کی رقابت، کینہ اور انتقامی جذبہ ہو گیا، دوسرے اس نے یہ سمجھا کہ علم میں اس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی، جب تک مذہب کی بیڑی کو کاٹ کر پھینکا نہ جائے۔ اور کلیسا سے آزادی نہ حاصل کر لی جائے، چنانچہ اس نے یہ مادی سفر شروع کیا جس کے نتائج آج آپ کے سامنے ہیں۔

حضرات! یہ داستان طویل بھی ہے، اور بڑی دردناک بھی، دل پر پتھر رکھے بغیر نہ سنائی جا سکتی ہے نہ سنی جا سکتی ہے۔ تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ آپ سب اہل علم ہیں، آپ کا وسیع مطالعہ ہے۔ آپ تاریخ کے بھی طالب علم ہوں گے۔ اور تاریخ کے بہت سے فضلاء اور اسکالر یہاں ہوں گے۔ میں اس وقت یہ گفتگو ایسی یونیورسٹی کے دیوار کے سایہ میں کہہ رہا ہوں۔ جو دنیا میں شہرت رکھتی ہے، اور اس کا بہت بلند مقام ہے، اس لئے مجھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مغربی تہذیب نے اپنا عمل پورا کر لیا ہے۔ مغرب کی مادی تہذیب کا انکس نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہے۔ کائنات کے مضمرات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے ہم کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس کے بعد کوئی جہاں نہیں ——— ؂ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔

لیکن اس وقت یہ تہذیب اپنے جو بہترین پھل لا سکتی تھی اور جو بہترین نتائج دنیا کے سامنے پیش کر سکتی تھی، اور آخری کامیابی جو دکھا سکتی تھی وہ اس نے دنیا کو دکھا دی ہے۔ اور اسوقت ہم ایک ایسے موڑ پر آ کر کھڑے ہو گئے ہیں کہ تہذیب نے تقریباً اپنا عمل پورا کر لیا ہے۔ اور امریکہ جو اس تہذیب کا بڑا مرکز ہے وہ اس وقت اپنی ان ترقیات کے جھولے میں جھولا جھول رہا ہے، اور وہ فخر سے یہ کہہ سکتا ہے اور کہنے والے کہہ بھی رہے ہیں کہ ہم نے قدرت کو بالکل عریاں کر دیا ہے۔ ہم نے قدرت کے چہرے کا ہر نقاب اٹھا دیا ہے، ہم نے کوئی راز راز نہیں رکھا ہر راز کو فاش کر دیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں جو ہونا چاہئے وہ اسوقت حاصل ہے، اس وقت فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اور انسان کو جو آسانیاں میسر آ سکتی تھیں وہ حاصل ہو گئیں اب اس کو کوئی دشواری نہیں، اب کسی تکلیف کی ضرورت نہیں، اب وہ تکلیف کا مزہ خود چکھنا چاہے تو چکھ سکتا ہے۔ لیکن وہ تکلیف اٹھانے پر مجبور نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انسان کو نہ سکون حاصل ہے اور نہ دنیا میں امن و امان قائم ہے اور نہ انسان کے قلب و روح کو کوئی غذا مل رہی ہے، انسان ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں وہ بالکل مبہوت ہو کر کھڑا ہو گیا ہے۔ زندگی اس کو بے مقصد معلوم ہوتی ہے۔ چیزیں موجود ہیں لیکن ان کا جو اصلی مزہ ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہو رہا۔ اس وقت تو ضرورت اس کی تھی کہ خود اس ملک میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس ملک کو اس دلدل سے نکالیں جس میں وہ پھنس گیا ہے۔ اور اس ملک کو ایک نیا

پیغام دیں، اس ملک میں ایک نئی زندگی پیدا کریں لیکن افسوس ہے کہ اب زندگی اس رفتار سے جا رہی ہے کہ اس کی باگ اب انسان کے ہاتھ میں نہیں رہی، اب انسان زندگی پہ سوار نہیں بلکہ زندگی اس پہ سوار ہے۔ اب انسان راکب نہیں بلکہ مرکب بن کر رہ گیا ہے۔ اب اسکو یہ تہذیب سرپٹ لئے جا رہی ہے، منزل نامعلوم، باگ ڈور ہاتھ میں نہیں، پاؤں رکاب میں نہیں، انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جاکر یہ سفر ختم ہوگا۔ اور اب وہ مجبور ہوکر عامل نہیں معمول بنا ہوا ہے۔ تو اس موقعہ پہ امید تو یہ تھی اور ہم ایشیا کے لوگ جن میں فلسفی بھی ہیں، اور دوسرے بھی، آنکھیں لگائے ہوئے تھے کہ مغرب ہی میں نیا رخ پیدا ہوگا۔ جو اس تہذیب کو نیا رُخ دے گا۔ اور زندگی کی اس ترقی کو بامعنی اور بامقصد بنائے گا۔ لیکن ایسی شکل پیدا نہیں ہوئی۔

امید کی ایک نئی کرن میں اس کو محض اتفاق نہیں کہتا، میں اتفاقات کی منطق کا قائل نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے پیچھے تقدیرِ الٰہی کام کرتی ہے۔ "ذٰلك تقدير العزيز العليم۔" خدا نے آپ کو اس ملک میں پہنچا دیا ہے۔ بڑی تعداد میں مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں، اور صرف ہاتھ سے کام کرنے والے نہیں بلکہ دماغی صلاحیت رکھنے والے مسلمان بھی ہیں۔ جو یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے ہیں تحقیقات میں مصروف ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے علم کا یہاں لوہا منوا لیا ہے، وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، محقق بھی ہیں، تو خدا نے اسوقت ایک موقعہ دیا ہے کہ بہت سے مسلم ممالک کے ذہین نوجوان یہاں پہنچ رہے ہیں، اور خود یہاں کی آبادی میں بھی اسلام پھیل رہا ہے۔ اور ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جو یا تو اسلام قبول کر چکی ہے یا قبول کرنے کے لئے تیار ہے اور ہمارے بلالی مسلمان اسوقت ہمارے لئے بہت بڑی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور ہماری امیدوں کا مرکز ہیں۔ اس طرح یہ ملک ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ اور امید کی ایک نئی کرن پیدا ہو رہی ہے، وہ جو وقت تھا ہمارے لئے کہ ہم اس ملک کی دستگیری کرتے وہ ہمارے آپس کے اختلافات کی وجہ سے اور ہماری کوتاہ بینی سے وہ وقت نکل گیا چاہیئے تو یہ تھا کہ جسوقت ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تھا۔ اور مضبوط حکومت قائم ہوئی تھی یا اس سے قبل جب اسپین میں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، اس وقت یورپ میں اسلام کی اشاعت ہوتی تو مغرب بھی اس ورطہ میں نہ پڑتا، اس مادیت کی دلدل میں نہ پھنستا اور نہ اسکی وجہ سے وہ قومیں بھی پھنستیں جو یورپ کی مقلد ہیں۔

اس کا بہترین وقت وہ تھا جب اسپین میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد دوسرا وقت وہ تھا جب عثمانی خلافت قائم ہوئی، لیکن افسوس کہ ہم نے اس وقت سے کام نہ لیا، اس سے بھی پہلے جب اسلام کے داعی دنیا میں نکلے تھے، کاش کہ اسوقت یہ داعی یہاں پہنچ جاتے، کہا جاتا ہے

کہ امریکہ کا کولمبس سے پہلے مسلمانوں نے انکشاف کیا تھا۔ کاش وہ ایک نئی دنیا کا انکشاف کرتے اور اس ملک کو ایک نیا پیغام دیتے اور وہ پیغام اسلام ہوتا، لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکا جس کا نتیجہ سزا کے طور پر آج اسلامی ممالک بھگت رہے ہیں، آج اسلامی ممالک یورپ کی جس غلامی میں مبتلا ہیں اور جس طرح وہ یورپ کے دریوزہ گر بن گئے ہیں، اور مغرب کے اداروں کے جسطرح وہ تابع ہو گئے ہیں، مغرب جو معاملہ کر رہا ہے اور جو کھیل کھیل رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ سزا ہے مسلمانوں کی اس کوتاہی کی کہ مسلمانوں نے وقت پر اس کو خدا کا پیغام نہیں سنایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے آشنا نہیں بنایا۔

لیکن اب خدا نے ایک موقع دیا ہے، آپ مختلف ملکوں سے، مختلف تقریبوں سے، مختلف اغراض سے تیزی کے ساتھ اس ملک میں آ رہے ہیں، کوئی اسلامی ملک نہیں جس کے بہترین نوجوان یہاں نہیں نظر آتے ہوں، اور آخری بات یہ کہ اس ملک سے جہاں حرم واقع ہے اس سے بھی بڑی تعداد میں نوجوان یہاں آ رہے ہیں، اس وقت آپ حضرات اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور آپ کی ذمہ داری اتنی ہی نہیں کہ آپ مغرب کے علوم سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے معاشی مسئلہ کو حل کریں یا آپ یہاں سے بڑی دولت کما کر لے جائیں اور اپنے کنبہ اور خاندان کو فائدہ پہنچائیں، آپ کو اپنی ذمہ داری یہ سمجھنی چاہیئے کہ اس ملک میں جس چیز کی کمی ہے اور یہ ملک اپنی تمام دولتوں کے باوجود جس دولت کے بارے میں بالکل محتاج ہے اور خدا کا فرمانا "ثم رددناہ اسفل سافلین" اگر آپ اسکی مادی فتوحات دیکھیئے، اگر آپ اسکی سائینسی ترقیات دیکھیئے تو "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" اور اگر آپ اسکی اخلاقی افلاس دیکھیئے، اگر آپ اس کی روحانی پیاس دیکھیئے، اگر آپ اسکی روح کا کرب دیکھیئے۔ ایک طرف آپ اس کی عقلی پختگی اور ساتھ ساتھ اس کے عقلی بچپن اور طفولیت دیکھیئے دونوں چیزیں اس میں جمع ہیں، ایک طرف چاند پہ جا رہا ہے۔ اور ایک طرف "ثم رددناہ اسفل سافلین" یہ اخلاقی پستی کے آخری گڑھے میں گر رہا ہے۔ وہی امریکہ کہ جس نے آج ہر مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ وہی آج اپنے نوجوانوں کے اخلاقی مسئلے کو حل کرنے میں ناکام ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

وہ جس نے ستاروں کی گذرگاہیں دریافت کیں جو چاند پہ پہنچا وہ اپنی زندگی میں چاندنی اور روشنی نہ لا سکا میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ کاش ہمارا کوئی اسلامی ملک اس پوزیشن میں ہوتا کہ وہ مغرب کو پیغام دیتا اور مغرب سے آنکھیں ملا کر یہ کہتا تو نے یہ غلطی کی، اے مغرب! تو نے یہ ٹھوکر کھائی، اے مغرب! تیرے درد کی دوا ہمارے پاس ہے۔ تیرے درد کی دوا ہمارے قرآن میں ہے۔ رسول اللہؐ کے پیغام

میں ہے ۔ لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں ہماری گردنیں ندامت اور شرم سے جھک جاتی ہیں کہ سعودی عرب سے لے کر پاکستان تک اور مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک کوئی ملک اس پوزیشن میں نہیں ہے ۔ کہ اس ملک سے آنکھ ملاکر خود اعتمادی سے کچھ کہہ سکے ۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنے کو اس پوزیشن میں ہی نہیں رکھا ہے کہ ہم مغرب سے شریفوں کیطرح بات کرسکیں ، مردوں کی طرح بات کرسکیں ، ہم جب مغرب سے بات کرتے ہیں تو سر سے لے کر پاؤں تک ہم اس کے احسانات میں ڈوبے ہوتے ہیں ، ہماری جہالت ہمارے خلاف گواہی دیتی ہے ، ہمارا افلاس ہمارے سر کے اوپر چڑھ کر بولتا ہے ، ہم جب بولتے ہیں تو ان کی زبان میں بولنا چاہتے ہیں ، اپنی زبان میں بولنا بھی پسند نہیں کرتے ، ہمارے جسم پر ان کا لباس ہوتا ہے ۔ اور بھیک کے لئے ہاتھ پھیلا ہوتا ہے ، ایسی حالت میں کوئی اسلامی ملک اس مغرب سے جو کہ اقتدار کا مالک ہے ، جس کو ہر طرح کی سیادت حاصل ہے ، علمی سیادت ، سیاسی سیادت ، اقتصادی سیادت اس کو حاصل ہے ۔ کون سا ایسا ملک ہے جو اس مغرب پر ادنیٰ تنقید کر سکے ۔ اس مغرب کو کوئی لقمہ دے سکے کوئی مشورہ دے سکے ، کوئی اسلامی ملک اس شان میں نہیں ۔

آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں

لیکن میں آپ سے کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ میری تخیل آرائی ہو ، ممکن ہے میری بلند پروازی ہو ، میں آپ سے ضرور کہوں گا اور آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہوں کہ کہوں کہ آپ اپنی زندگی اپنے وجود ، اپنے طرزِ زندگی سے یہ ثابت کریں کہ آپ کے پاس اس مغرب کو دینے کیلئے کچھ ہے آپ یہاں صرف لینے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ دینے کے قابل بھی ہیں ۔ آپ کا ہاتھ صرف لینے کے لئے نہیں پھیلا ہوا ہے ۔ بلکہ وہ کچھ دینے کے لئے بھی پھیل سکتا ہے ۔ آپ اگر یونیورسٹی کے طالب علم ، ٹیچر یا ریسرچ اسکالر ہیں ۔ یہاں تک کہ آپ یہاں کی کسی فرم میں ہیں ، آپ کا جن سے سابقہ پڑتا ہے ، آپ کے ساتھ جو کام کرنے والے ہیں ، ان سب کے سامنے آپ اسلام کی صداقت کو پیش کر سکتے ہیں ۔ ان میں یہ احساس پیدا کر سکتے ہیں ، کہ اسلام آج بھی ان کی مدد کر سکتا ہے ، کچھ دے سکتا ہے ، ان کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود گویا کچھ نہیں اور ان سے جو حقیقی فائدہ پہنچنا چاہئے تھا ، ان طبعی تحقیقات سے اور مادی فتوحات سے وہ ان کو نہیں پہنچ رہا ہے ، آپ کو اس مقام پر ہونا چاہئے ، آپ کے اندر یہ اعتماد بحال ہونا چاہئے کہ آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں ، آپ صرف خوشہ چیں نہیں ہیں کہ یہاں آکر ان کی کلیاں توڑیں اور اپنا دامن بھریں بلکہ آپ اپنی کلیوں سے ان کا دامن بھر سکتے ہیں ، یہ بات موجودہ حالات کے لحاظ سے قبل از وقت اور ناقابل قیاس ہے اور شاید ہمارے بہت سے بھائی تعجب کریں کہ میں یہ سب باتیں کہاں سے کہہ رہا ہوں ، میں کہاں رہتا ہوں ۔ لیکن قرآن اور اسوہ نبوی ہمارے اندر اعتماد پیدا کرتا ہے ۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا، اور مدینہ میں کوئی اسٹیٹ قائم نہیں ہوئی تھی اور جب کہ کوئی معاشی مسئلہ بھی حل نہیں ہوا تھا، اور مسلمان خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس وقت خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قیصر روم کو جو اس وقت سیمبول تھا دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا اور جو دنیا کے آدھے حصہ پر حکومت کرتا تھا، اپنے خط میں لکھا تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد! فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فان علیك اثم الیریسیین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لانعبد الا اللہ ولا نشرك بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بأنا مسلمون!

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے، اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام تو سلامت رہے گا خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا۔ اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہو وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔)

ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں جس نے فقر و فاقہ کی حالت میں، گمنامی کی حالت میں اس وقت جبکہ دنیا میں ان کی سیاسی، اقتصادی کوئی پوزیشن نہیں تھی، اس حالت میں اسلام کی دعوت، دنیا کے سب سے با جبروت انسان کو اس خود اعتمادی کے ساتھ دی، یہ کیا ہمت تھی۔؟ یہ کیا مقام تھا، یہ کیا بلندی تھی اس وقت جب کہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں، اس کے خزانے میں پیسہ نہیں، چند لوگ اس کے ماننے والے ہیں۔ اور ایک شاہ وقت سے وہ اس طرح کہتا ہے کہ "اَسلِم تَسلَم" اسلام قبول کرو بچ جاؤ گے، تمہاری حفاظت ہوگی۔ تمہاری جان بچ جائے گی، ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں، آج ہمارا مقام یہ ہونا چاہیئے کہ ہم آج اس قوم کو دینے کا حوصلہ رکھیں اور ان کو یہ احساس دلائیں کہ ہمارے پاس وہ دولت ہے، جس سے وہ محروم ہے اور بغیر اس دولت کے یہ تمدن بچنے والا نہیں، اس وقت یہ تمدن خودکشی کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اور

اس گہری خندق میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہے جس میں گرنے کے بعد کبھی ابھر نہیں سکے گا اسے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو یہی خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات ، قرآن کی رہنمائی اور یہ کہ مادیات اور اخلاقیات اور وسائل ومقاصد کے درمیان رابطہ قائم کیا جائے ، اگر مادیات ہیں اور اخلاقیات نہیں تو تباہی کے سوا کچھ نہیں یہ وہ پیغام ہے جو ہمارے اسلامی ملکوں کو دینا چاہئے تھا اور میں نام لے لے کر کہہ سکتا ہوں یہ پیغام شاہ خالد کو دینا چاہیئے تھا، یہ ذوالفقار علی بھٹو کو دینا چاہیئے تھا ، یہ انڈونیشیا کے صدر مملکت سوہارتو کو دینا چاہیئے تھا ، یہ شاہ حسن کو دینا چاہیئے تھا ، یہ شاہ حسین کو دینا چاہئے تھا کہ اے مغرب تو ڈوب رہا ہے ہم تجھے بچا سکتے ہیں ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی یہ پوزیشن نہیں رکھتا ، انہوں نے اپنے کو اس قابل رکھا ہی نہیں ہے ، یہ مغرب کے دریوزہ گر ہیں ان میں سے کسی میں ہمت نہیں ہے کہ کچھ کہہ سکیں کہ اے مغرب تیرے تمدن میں کمی ہے ، یہ مغربی تہذیب کو معراج سمجھتے ہیں کسی نے کہا ہے کہ ساری دنیا کا قبلہ حرم ہے اور حرم کا قبلہ امریکہ بنا ہوا ہے ، یہ میں کہہ رہا ہوں دین کا ادنیٰ طالب علم ، اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا جس کو ہر حال میں دفاع کرنا چاہیئے تھا ، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج ہمارے اسلامی ملوک ، رؤسائے جمہوریات اس قابل نہیں ہیں کہ مغرب کو کچھ پیغام دے سکیں ، مغرب کو کچھ مشورہ دے سکیں ، لیکن آپ اگرچہ آپ کسی ریاست کے مالک نہیں ، اگرچہ آپ کسی خزانے کے مالک نہیں لیکن آپ یہ فرض انجام دے سکتے ہیں کس طرح دے سکتے ہیں ، اس طرح کہ آپ ایک زندگی کا مظاہرہ کریں ، آپ خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں ، آپ اپنے دین پر ، اپنے مذہب پر فخر کرنا سیکھیں ، آپ خدا کی اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ قدرت نے آپ کو ان نعمتوں سے نوازا ہے ۔ آپ نمازوں کے ذریعہ ، دعاؤں کے ذریعہ اس مادیت کے جال سے آزاد ہونے کے ذریعہ آپ یہ ثابت کریں کہ مادیت آپ کو غلام نہیں بنا سکتی ہے ابھی آپکی روح زندہ ہے ، ابھی آپ کا قلب زندہ ہے ، ان کی طرح مردہ نہیں ہوا ، ابھی آپ کے اندر خیر وشر کے فرق کا احساس زندہ ہے ، آپ کے نزدیک دنیا کی دولت ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ آپ کے نزدیک یہ دنیا بھی کچھ نہیں ہے ۔ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے اور آپ خدا کو قادر مطلق سمجھتے ہیں اور اسکی رضا کو سب سے بڑی سعادت اور کمال سمجھتے ہیں ، خدا نے آپکو یہ موقعہ دیا ہے خدا نے آپکو اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ان کے سامنے زندگی کا نیا تجربہ اور نئی حقیقتیں لائیں جو ان کی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہیں ، اور مسیحیت اپنے ان تمام کلیساؤں کے باوجود ڈیوینٹی کالجوں کے باوجود ، اور عیسائیت کو جو اقتدار حاصل ہے ۔ اس کے باوجود مسیحیت اس حقیقت کو زندہ کرنے میں ناکام رہی ہے ، اور آئندہ بھی اس سے کوئی امید نہیں ہے ۔ آپ اپنی ہر طرح کی کمزوریوں کے باوجود یہ فرض انجام دے سکتے ہیں ۔

ہر دور میں اوّل
پاکستان کا
نمبر 1 بائیسکل سہراب

سوار پریما
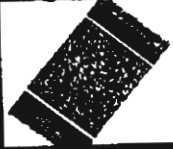
معیاری
اور
قابلِ
اعتماد
ایگل
ایک عالمگیر قلم
EAGLE
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS & CO. LTD.

پروفیسر محمد اسلم صدر شعبہ تاریخ
جامعہ پنجاب ۔ لاہور

صوفی حمید الدین ناگوریؒ کی تصنیف سرور الصدور کی تاریخی اہمیت

قسط ۲

ہندوی زبان کا استعمال سرور الصدور کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلطان التارکین اپنے گھر میں "ہندوی زبان" میں بات چیت کیا کرتے تھے[۲۶]۔ ملفوظات کے مطالعہ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ جب ہندو ان کی ملاقات کو آتے تو موصوف اُن سے ہندوی زبان میں ہی گفتگو فرمایا کرتے تھے[۲۷]۔ سرور الصدور میں کہٹ، پہلکہ، ہوڈڈہ، چوڑہ اور بھال کہچڑہ جیسے ہندی الفاظ پائے جاتے ہیں ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف فارسی میں گفتگو فرماتے ہوئے بھی ہندی الفاظ بکثرت استعمال فرماتے تھے۔ ہمارے صوفیاء نے برصغیر میں اردو زبان کی تخلیق اور ترویج میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے ۔

ترکِ خواہشات جامع ملفوظات شیخ فرید الدین محمود تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز سلطان التارکین نے ایک مجلس میں حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

فردا خدائے تعالےٰ این نخواہد پرسید که برائے من چه آوردید ۔ خواہد پرسید که اے بندگان من ! برائے من چه ترک کردہ بودید[۲۸] ؟	"قیامت کے روز خدا تعالےٰ یہ نہیں پوچھے گا کہ میرے لیے کیا لائے ہو ؟ وہ یہ پوچھے گا کہ اے میرے بندو ! میرے لیے تم نے کیا ترک کیا تھا ؟ وہ لاؤ اور دکھاؤ" ۔

سلطان التارکین کا ایک مقولہ شیخ فرید الدین محمود تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان التارکین اکثر فرمایا کرتے تھے :-

نماز گذاردن کار بیوہ زنان ست ۔ و روزہ داشتن صرفه نان است ۔ حج کردن کار بیکاران است ۔ دلی دریاب که کار آنست[۲۹] ۔	"نماز ادا کرنا عورتوں کا کام ہے اور روزہ رکھنا روٹی بچانا ہے ۔ حج کرنا بیکاروں کا کام ہے ۔ دل تلاش کرو کہ یہ کام کرنے کا ہے" ۔

---

[۲۶] ایضاً ورق ۸ [۲۷] ایضاً ورق ۳۵ [۲۸] ایضاً ورق ۴۴ [۲۹] ایضاً ورق ۱۴

سلطان التارکین کی اہلیہ سلطان التارکین کی اہلیہ محترمہ خدیجہ زہد و ورع میں رابعۂ عصر سمجھی جاتی تھیں۔ شیخ جمالی کا بیان ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھتی تھیں اور ہفتہ ہفتہ تک افطار نہ کرتی تھیں[۵۱]
جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ موصوفہ سخاوت کے لیے دُور دور تک مشہور تھیں اور اُن کے در سے کوئی حاجت مند خالی نہ لوٹتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد لوگ اُن کے مزار پر جاکر حاجتیں مانگتے ہیں تو خدا تعالےٰ پوری کر دیتا ہے۔[۵۱]

سلطان التارکین کا مسلک شیخ فریدالدین محمود تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان التارکین نے ایک مجلس میں فرمایا :-

اعتقاد اہلِ سُنت وجماعت آنست کہ تکفیر اہل قبلہ بدعت است۔ اہل قبلہ را کافر نباید گفت[۵۲] ۔	"اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اہل قبلہ کو کافر کہنا بدعت ہے۔ اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیئے"۔

اظہار کرامت سلطان التارکین کرامت کو "حیض الرجال" سمجھتے تھے۔ موصوف اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح عورتیں حیض آلود کپڑے چھپاتی ہیں۔ اسی طرح ولیوں کو اپنی کرامات چھپانی چاہئیں[۵۳]

مرید صادق کی علامت جامع ملفوظات شیخ فریدالدین محمود تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان التارکین فرمایا کرتے تھے کہ مرید صادق کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ اُسے ملامت کا خوف نہیں ہوتا[۵۴]

مسلسل روزے رکھنے کے بارے میں حکم سلطان التارکین کے ایک مرید نے ان سے تین ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی اجازت چاہی تو اُنھوں نے فرمایا :

"کیا تو دیوانہ ہوگیا ہے ؟ تمہارے لیے صرف ایام بیض کے روزے ہی کافی ہیں"۔ [۵۵]

اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ سلطان التارکین چشتی بزرگوں کے طریقے کے برعکس اپنے مریدوں کو مسلسل

---

[۵۰] جمالی، سیر العارفین ورق ۹ ب [۵۱] سرور الصدور، ورق ۹
[۵۲] ایضاً ورق ۳۶ [۵۳] ایضاً ورق ۱۳ [۵۴] ایضاً ورق ۱۳ [۵۵] ایضاً ورق ۲۲ ۔

روزے رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ ہمارے خیال میں یہ حکم عام مریدوں کے لیے تھا۔ خود موصوف اور اُن کے اہلِ خانہ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ شیخ جمالی حضرت کی اہلیہ محترمہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ مسلسل روزے رکھتی تھیں اور ہفتہ ہفتہ تک افطار نہ کرتی تھیں۔[۵۶]

علمِ تصوّف کے بارے میں رائے

ہمارے اکثر و بیشتر بزرگوں کا یہ خیال ہے کہ تصوّف کتابی علم نہیں ہے اور ایک شخص محض تصوّف کی کتابیں پڑھنے سے صوفی نہیں بن جاتا۔ سلطان التارکین کا بھی یہی خیال تھا اور وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

"علم تصوف بکردن است نہ بگفتن"[۵۷]

غمِ مسلمانی

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ قحط کا زمانہ تھا کہ ایک آدمی اپنے گھر آیا اور اُس نے اپنے اہلِ خانہ سے دریافت کیا کہ گھر میں کتنا غلّہ ہے؟ گھر والوں نے جواب دیا کہ ایک کندوری اناج سے بھری ہوئی ہے۔ اس نیک مرد نے کہا کہ کندوری توڑ کر غلّہ نکال لو اور اُسے بازار لے جاکر جس بھاؤ کوئی خریدے بیچ دو۔ جب اہلِ خانہ وہ غلّہ بیچ آئے تو اس نیک مرد نے کہا کہ اب گھر کی ضرورت کے لیے ہر روز بازار سے جس بھاؤ غلّہ ملے خرید لایا کرو تاکہ تنگی کے ایام میں خلقِ خدا کی موافقت ہو۔ یہ واقعہ بیان کرکے سلطان التارکین فرمانے لگے کہ گذشتہ زمانے کے مسلمان اسی طرح کے ہُوا کرتے تھے اور اس طرح سے مسلمانوں کا فکر کیا کرتے تھے۔[۵۸]

احترامِ پیغمبراں

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ انھوں نے فتاویٰ کی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کپڑا بُنا تھا اور دوسرا شخص یہ کہے کہ پھر تو ہم سب جولاہے کے بچے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ کلمہ کفر ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص "اخبار" کے طور پر یہ بات کہے تو درست ہے۔ لیکن مذاق کے طور پر کہے تو کفر ہے۔[۵۹]

قرآن حفظ کرنے کا آسان طریقہ

سلطان التارکین اپنے احباب کو حفظ قرآن کی ترغیب دیا کرتے تھے اور جو شخص قرآن حفظ کرنا چاہتا اُسے یہ

---

[۵۶] جمالی، سیر العارفین، ورق ۹ ب [۵۷] سرور الصدور، ورق ۶۲

[۵۸] ایضاً ورق ۸۴ "درآں وقت چنیں مسلماناں بودہ اند۔ وغم مسلمانی چنیں داشتہ اند۔"

[۵۹] ایضاً ورق ۷۵۔

مشورہ دیتے کہ وہ ایک ہی نسخے سے حفظ کرے ورنہ اُسے پریشانی ہوگی اور اُس کے خیالات ہی پریشان رہیں گے۔ ایک موقع پر سلطان التارکین نے حافظ تاج ملتانی کا واقعہ بیان کرتے ہُوئے فرمایا کہ اُس نے ایک ہی نسخہ سے قرآن حفظ کیا تھا اور اُسے آیات کے صفحے اور سطریں تک یاد ہوگئی تھیں۔[۶۰]

مسجد کی تعظیم

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک کتاب میں جس کا نام اُنہیں یاد نہیں رہا، یہ پڑھا تھا کہ اگر کوئی شخص مسجد کو تعظیم کے لیے چُومتا ہے تو وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔[۶۱] (ناچیز راقم علماء کرام اور صوفیائے عظام سے یہ سوال کرتا ہے کہ اگر مسجدوں کو تعظیم کے لیے چُومنا کفر ہے تو مزارات کو چُومنے کے بارے میں کیا حکم ہے ؟)

اوّل طعام بعد کلام

شیخ فریدالدین محمود رقمطراز ہیں کہ جب حضرت سلطان التارکین کے سامنے کھانا چُنا جاتا تو پھر موصوف کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔ سلطان التارکین دوسروں کو بھی اس بات کی تلقین کیا کرتے تھے کہ جب کھانا سامنے موجود ہو تو پھر کوئی اور کام نہیں کرنا چاہیئے۔[۶۲] کھانے کی موجودگی میں انسان کی توجہ اسی طرف لگی رہتی ہے اس لیے اسے یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی۔ حضرت سلطان التارکین کا یہ منشا تھا کہ انسان پہلے کھانا کھالے پھر یکسو ہوکر اپنے کام میں لگ جائے۔

مسئلہ رویت باری تعالےٰ

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ قاضی عبدالجبار معتزلہ فرقہ کا پیرو تھا اور وہ رویت باری تعالےٰ کا انکار کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک درویش کے ساتھ اُس کی دوستی ہوگئی اور ایک روز اُس نے قاضی کی دعوت کی۔ جب قاضی اُن کے گھر پہنچا تو اُنہوں نے اُسے کھانا بھجوا دیا لیکن خود اس کے سامنے نہ آئے۔ قاضی نے کھانا لانیوالے سے کہا کہ جب تک وہ درویش کو نہ دیکھ لے اُس وقت تک کھانا نہیں کھائے گا۔ قاضی کا پیغام ملتے ہی درویش باہر آیا اور اُسے مخاطب کرکے کہنے لگا کہ جب ایک انسان کی پیش کردہ نعمتوں کو انسان کے دیکھے بغیر نہیں کھاتے تو خدا کی نعمتوں کو خدا کو دیکھے بغیر کیوں کر کھاتے ہو ؟ قاضی کو مسئلہ رویت باری سمجھ آگیا اور وہ اپنے عقیدے سے تائب ہوگیا۔[۶۳]

---

۶۰ ایضاً ورق ۱۲ ۶۱ ایضاً ورق ۲۶ ۶۲ ایضاً ورق ۳۰

۶۳ ایضاً ورق ۸۴

غلاموں سے تعلق خاطر سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ اُن کے گھر میں اگر کوئی کنیز یا غلام آجاتے تو وہ اُسے فروخت نہیں کرتے۔ وہ یا تو انہی کے گھر میں بوڑھا ہو جاتا ہے یا پھر وہ بھاگ جاتا ہے یا اُسے آزاد کر دیتے ہیں[۶۴]۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس لونڈی یا غلام کے ساتھ اُن کا ایک بار تعلق قائم ہو جاتا وہ عمر بھر اُسے نبھاتے تھے ۔

گوشت خوری سے اجتناب سرور الصدور کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان التارکین گوشت خوری سے مکمل اجتناب کرتے تھے اور وہ اپنے لیے کسی کی جان لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ حضرت اپنے مریدوں اور لواحقین سے کہا کرتے تھے :-

اگر بروح من چیزی بخواہید کہ بدہید ، باید کہ گوشت ندہید[۶۵]	"اگر تم میں سے کوئی میری روح کے ایصال ثواب کے لیے کوئی چیز دینا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ گوشت نہ دے[۶۵]"

گوشت خوری سے اجتناب کے ضمن میں سلطان التارکین نے ایک حکیم کا واقعہ سنایا جو جنگل میں سکونت رکھتا تھا اور صرف سبزیاں کھایا کرتا تھا۔ اُس نے روٹی کھانا بھی چھوڑ دی تھی۔ اتفاق سے ایک روز ایک شخص ادھر آنکلا تو اسے حکیم کی بود و باش دیکھ کر اس پر بڑا رحم آیا۔ اُس نے حکیم سے ازرہِ ہمدردی کہا کہ اگر وہ سلطان کی ملازمت اختیار کرلے تو اُسے سبزی کھانے کی حاجت نہ رہے گی۔ حکیم اُس کی بات سُن کر ہنس دیا اور کہنے لگا کہ اگر وہ سبزی کھانے کی عادت ڈال لے تو اسے سلطان کی خدمت کرنے کی حاجت نہ رہے گی۔ جامع ملفوظات یہ واقعہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ سلطان التارکین نے یہ حکایت اس لیے بیان فرمائی کہ یہ اُن کے حسب حال تھی کیونکہ ان کا معمول سبزی کھانا تھا اور موصوف دوسروں کو بھی سبزی کھانے کی تلقین کرتے رہتے تھے[۶۶]۔

سلطان التارکین نے ایک مجلس میں منڈاور قوم کے ایک ہندو کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بڑا عادل تھا اور اس کے ماتحت لوگ بڑے آسودہ حال تھے۔ اُس کی شرافت کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی غیر عورت پر نظر نہ ڈالتا تھا۔ خدا تعالےٰ نے اُسے ایک بیٹا دیا تھا جو اپنے باپ کی جملہ صفات سے

---

[۶۴] ایضاً ورق ۶۲ [۶۵] ایضاً ورق ۹ [۶۶] ایضاً ورق ۳۵ ۔

[۶۷] ایضاً ورق ۳۵ ؛

متصف تھا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت نے بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ وہ سبزی خور تھا۔[۶۷]

جانوروں کا خیال جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ایک روز سلطان التارکین جنگل سے لوٹے تو انہیں اپنے کپڑوں پر چیونٹیاں نظر آئیں۔ آپ اسی وقت واپس لوٹے اور جس مقام سے وہ چیونٹیاں اُن کے کپڑوں پر چڑھی تھیں۔ وہاں جا کر کپڑے جھاڑے اور پھر اطمینان کے ساتھ گھر واپس آئے۔[۶۸]

سلطان التارکین کا گوشت خوری سے اجتناب بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں وہ راجستھان میں رہتے ہوئے جینیوں کی طرح کسی جان دار کو دکھ پہنچانے کے سخت مخالف تھے۔ مذکورہ بالا چیونٹیوں والا واقعہ تو اصول اہنسا کے عین مطابق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے ہندوؤں اور جینیوں کو رام کرنے کے لیے گوشت کھانا ترک کر دیا ہو اور اس سے تبلیغ اسلام میں آسانی پیدا ہو گئی ہو۔

ذخیرہ اندوزی کی مذمت سلطنتِ دہلی کے ابتدائی دور میں مرتب ہونے والے چشتی بزرگوں کے ملفوظات میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی مذمت ملتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد کے معاشرے میں بھی یہ لعنت موجود تھی۔ سرور الصدور میں سلطان التارکین نے بھی احتکار کی مذمت کی ہے۔[۶۹]

موصوف کہا کرتے تھے کہ محتکر (ذخیرہ اندوز) کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ لوگ جس چیز سے غمناک ہوتے ہیں وہ اس سے خوش ہوتا ہے۔[۷۰]

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی ان سماج دشمن عناصر کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ "لاہور محض اسی وجہ سے تباہ ہوا کہ وہاں کے تاجرلین دین میں بددیانت تھے"۔[۷۱]

حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کے ملفوظات میں مرقوم ہے کہ "سفر گجرات کے دوران میں چند سوداگر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے انہیں مخاطب کر کے احتکار کی مذمت فرمائی"۔[۷۲]

پروفیسر خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں کہ بار بار ملفوظات میں ان عنوانات پر گفتگو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیاء نے سماج کے فاسد عناصر کی روک تھام کی تھی۔[۷۳]

---

[۶۷] ایضاً۔ [۶۸] ایضاً ورق ۴۳ [۶۹] ایضاً ورق ۴۸۔

[۷۰] خلیق احمد نظامی، نذر عرشی، مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء ص ۴۴۴۔

[۷۱] امیر حسن سجزی، فوائد الفواد ص ۲۰۲، ۲۰۱۔ [۷۲] محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم ص ۱۵

[۷۳] خلیق احمد نظامی، نذر عرشی ص ۴۴۴ ؛

عمال حکومت کی چیرہ دستیاں

سرور الصدور کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ناگور میں عمال حکومت کی چیرہ دستیاں عام تھیں۔ سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ ایک بقال زادہ بڑا مالدار تھا اور سرکاری افسر اُس سے مال چھیننا چاہتے تھے۔ وہ غریب بھاگم بھاگا حضرت سلطان التارکین کی اہلیہ بی بی خدیجہؒ کے پاس آیا اور اُن سے مدد کی درخواست کی۔ اُنہوں نے بقال زادہ کو بچانے کی ہر ممکن سعی کی لیکن اس کے باوجود وہ عمال حکومت کے سامنے بے بس ہو گئیں اور اُنہوں نے اس کا مال چھین لیا۔

کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام

جامع ملفوظات لکھتے ہیں کہ ایک بقال کو اولاد کی خواہش تھی، اور وہ اسی خواہش میں بوڑھا ہو گیا۔ بڑھاپے کے عالم میں اس کے ہاں بیٹا پیدا ہُوا تو وہ اسے لے کر سلطان التارکین کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ برکت کے لیے اُسے اپنی کلاہ عنایت فرمائیں۔ انہوں نے بچے کو دیکھ کر فرمایا :-

" کل مولود یولد علی الفطرۃ الاسلام " بعد ازاں انہوں نے یہ دُعا فرمائی : اللّٰھم ثبتہ علی لفطرۃ "، موصوف نے اس بچے کو لباس مرحمت فرمایا اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر حاضرین سے کہا کہ وہ دُعا کریں کہ یہ بچہ فطرت پر قائم رہے۔ جب دعا ختم ہوئی تو حضرت نے چند کھجوریں بوڑھے کو عنایت کیں اور اُس کے بچے کو مخاطب کر کے " ہندوی زبان " میں فرمایا " تو میرا مرید ہے خُدا نے پایا تو بڑے اُونچے مرتبے پر فائز ہو گا "۔ [۴۴]

ہندوؤں کے ساتھ سلوک

سلطان التارکین ہندوؤں کے ساتھ بڑی رواداری برتتے تھے اور اُنہیں رام کرنے کے لیے انہوں نے گوشت کھانا ترک کر دیا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ رواداری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہندو جوگیوں کے بڑے معترف تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ سلطان التارکین ناگور کے ایک ہندو کی " ولایت "، کے قائل تھے[۴۵]۔ چشتی بزرگوں کے سوانح حیات اور ملفوظات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں ایسی بات عام تھی۔ چشتیہ صابریہ سلسلہ کے عظیم بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ایک محبوب مرید دتو سروانی انت کر نامی ایک ہندو جوگی سے توحید کے مسائل پُوچھنے جایا

---

[۴۴] سرور الصدور، ورق ۳۵۔

[۴۵] امیر حسن سجزی، فوائد الفواد ص ۱۱۱ " در ناگور ہندوی را بہ کرامت گفتی کہ ولی خدا است "،

کرتے تھے۔ موصوف اس جوگی کے بارے میں لکھتے ہیں :

"توحید را نیکو بیان میکرد" [۶۶]

احمق اور جاہل میں فرق

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ احمق ہمیشہ خوش رہتا ہے اور جاہل ہمیشہ مشقت برداشت کرتا رہتا ہے ۔ موصوف فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے امرأ القیس سے کہا کہ فلاں شخص بے عقل اور احمق ہے لیکن ہے بڑا مال دار ۔ امرأ القیس نے کہا وہ اپنی جگہ بڑا خوش ہے کہ وہ بے غم رہے گا اور مزے سے کھائے پیئے گا [۶۷] ایک دوسری مجلس میں سلطان التارکین نے علم اور جہالت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا :

ہیچ صفتے در آدمی زشت تر از جہل نیست ۔ ہر چہ ہست علم است ۔ ہر کہ علم نداند گوی جمادی ست کہ از و ہیچ کاری نیاید [۶۸]	"انسان میں جہالت سے بڑھ کر اور کوئی بڑی صفت نہیں ۔ جو کچھ بھی ہے علم ہے ۔ جو علم نہیں رکھتا وہ پتھر کی طرح ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا"

پروفیسر خلیق احمد نظامی صوفیائے کرام کی خدمات گنواتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ صوفیا نے جہالت کے خلاف جہاد کیا ہے [۶۹]

حبیب مکرم پروفیسر نور النبی ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ایک بار کسی شخص نے سلطان التارکین سے درخواست کی کہ وہ اُن سے تصوف کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ حضرت نے اسے جواب دیا کہ وہ ناگور میں حدیث کی تدریس و اشاعت میں مشغول ہیں اس لیے اُن کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ اسے تصوف کی تعلیم دے سکیں [۷۰] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کو علم حدیث سے کتنا شغف تھا اور وہ اس کے مقابلہ میں تصوف کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے ۔

---

۶۶ رکن الدین ، لطائف قدوسی ، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ ص ۴۲ ۔

۶۷ سرور الصدور ، ورق ۴۶ ۔

۶۸ سرور الصدور ، مخطوطہ مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ، ورق ۵۷ ۔

۶۹ خلیق احمد نظامی "سم اسپیکٹس آف ریلیجن اینڈ پالٹیکس ان انڈیا ڈیورنگ دی تھرٹینتھ سینچری" ص ۲۶۴ ۔

۷۰ نور النبی "ڈیویلپمنٹ آف ریلیجس تھاٹ ان انڈیا ، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۶۳ء ص ۱۳۱ ۔

بے علم مُفتی

سلطان التارکین نے ایک مجلس میں فرمایا کہ لاہور میں ایک مفتی رہتا تھا جس کے پاس قدوری کے علاوہ اور کوئی کتاب نہ تھی۔ جب کوئی شخص اُس سے فتویٰ لینے آتا تو وہ قدوری دیکھ کر فتویٰ دے دیتا تھا۔[۸۱]

قاضیوں کی تین اقسام

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن کہا کرتا تھا:

"من سہ قاضی دارم، یکی قاضی آنست کہ ازمن نترسد و از خدا بترسد۔ دویم قاضی آنکہ از خدا نترسد و ازمن بترسد۔ سوم کہ است نہ ازمن بترسد و نہ از خدا بترسد۔ بعدہ فرمودی فخر ناقلہ ازمن بترسد و از خدا نترسد۔ قاضی لشکر از خدا بترسد و ازمن نترسد۔ و عالم منہاج نہ ازمن ترسد و نہ از خدا ترسد۔[۸۲]

"میرے تین قاضی ہیں۔ ایک قاضی وہ ہے جو مجھ سے نہیں ڈرتا لیکن خدا سے ڈرتا ہے۔ دوسرا قاضی خدا سے نہیں ڈرتا لیکن مجھ سے ڈرتا ہے۔ جو تیسرا قاضی ہے وہ نہ مجھ سے ڈرتا ہے اور نہ ہی خُدا سے ڈرتا ہے۔ بعدازاں وہ کہا کرتا تھا کہ فخر ناقلہ مجھ سے ڈرتا ہے لیکن خدا سے نہیں ڈرتا۔ قاضی لشکر خدا سے ڈرتا ہے مجھ سے نہیں ڈرتا۔ منہاج نہ مجھ سے ڈرتا ہے اور نہ ہی خدا سے ڈرتا ہے۔"

طالبِ دُنیا کا حال

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ سلطان معزالدین کیقباد کے دربار میں ہوری نام کی ایک عورت تھی جو علماء سے بے ہُودہ قسم کا مذاق کیا کرتی تھی۔ اُس نے قاضی منہاج سے بھی کئی بار بھرے دربار میں ناشائستہ حرکات کیں۔ ایک بار اُس نے منہاج کی گردن میں شال ڈال کر کھینچی اور اس کے گال پر چپت رسید کیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے سلطان التارکین فرمانے لگے کہ وہ "چاہ دُنیا" میں مبتلا تھا۔ اسی لیے اس کی یہ گت بنی۔[۸۳] بالفاظ دیگر اگر وہ تارک الدُنیا ہوتا تو وہ شاہی دربار میں نہ جاتا اور اس کی ایسی گت نہ بنتی۔

گُجرات کی ایک عجیب رسم

سرورالصدور کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں گجرات (کاٹھیاواڑ) میں ایک عجیب رسم پائی جاتی تھی۔ جنگجو اور

---

۸۱ سرورالصدور، ورق ۳۴ ۸۲ ایضاً ورق ۴۰

۸۳ ایضاً، ورق ۴۰ ب

طاقت ور قسم کے لوگ پابہ زنجیر کھڑے رہتے تھے۔ یہ گویا ایک طرح سے بہادری کا دعوےٰ کرنے والوں کے لیے چیلنج ہوتا تھا کہ اگر کوئی اُن سے لڑنا چاہے تو وہ زنجیر کھول کر اُن سے مقابلہ کر لے [84]۔

ناگور میں نیل کی کاشت

سیر الاولیاء کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ناگور میں کنجد (تل) بکثرت پیدا ہوتے تھے جو ملتان بھیجے جاتے تھے اور اُن کے بدلے ملتان سے رُوئی لائی جاتی تھی [85] سرور الصدور میں "خروارِ نیل" کا ذکر آیا ہے [86] اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ناگور میں نیل کی کاشت ہوتی تھی یا وہاں نیل کا کاروبار ہوتا تھا۔

ناگور کی ایک مسجد

ناگور میں ایک مسجد تھی جو مسجد بھاگلی کے نام سے مشہور تھی۔ سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ وہ "جائے حاجت روائی" تھی۔ اس مسجد میں جو بھی دعا مانگی جاتی تھی وہ قبول ہوتی تھی۔ اس مسجد کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے قدم رنجہ فرمایا تھا [87]۔

گمشدہ چیز کی بازیابی کا نسخہ

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ یہ دُعا ہزار بار پڑھے اُسے گم شدہ چیز مل جائے گی :-

" یا جامع الناس لیوم لا ریب فیہ اجمع علیّ ضالتی -

اتفاق سے ان ہی دنوں ان کا ایک غلام بھاگ گیا۔ حضرت سلطان التارکین نے یہی نسخہ آزمایا تو وہ پکڑا گیا [88]

دہلی میں منجموں کی کثرت

سلطان التارکین کے نانا علم نجوم میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے نواسے کی ولادت سے پہلے اپنی بیٹی کو اس کی ولادت کی خوشخبری سُنائی تھی اور ان کی چند نشانیاں بھی بتائی تھیں [89]۔ برصغیر کے نامور صوفی حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی اہلیہ کے نانا بھی منجم تھے اور وہ بھی پیش گوئیاں کرتے رہتے تھے [90]۔ امیر خسرو کے کلام کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

---

[84] ایضاً ورق ۲۹ — [85] امیر خورد کرمانی، سیر الاولیاء ص ۱۵۸

[86] سرور الصدور ورق ۹۱ — [87] ایضاً ورق ۳۷ — [88] ایضاً ورق ۱۴

[89] ایضاً ورق ۷ — [90] سید محمد اکبر حسینی، جوامع الکلام ص ۲۱

خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ

خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ حضرت سلطان التارکین کے مُرشد تھے اور اُنہوں نے ان کی صُحبت کیمیا اثر میں کافی وقت گزارا تھا اس لیے خواجہ بزرگ کے بارے میں ان کی معلومات دوسروں کی نسبت زیادہ مستند ہیں۔ سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب نے نوّے برس کی عمر میں شادی کر لی۔ اس بڑھاپے میں اللہ تعالےٰ نے انہیں دو بیٹے عنایت کئے۔ ایک روز باتوں باتوں میں خواجہ صاحب نے سلطان التارکین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جب وہ جوان اور غیر شادی شُدہ تھے تو اس وقت اگر کوئی حاجت پیش آتی تو وہ خدا تعالےٰ کے حضور دعا کرتے اور اُن کی حاجت فوراً پوری ہو جاتی۔ اب جب وہ بوڑھے اور صاحب اولاد ہو گئے ہیں تو اُن کی دُعا دیر سے قبول ہونے لگی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ سلطان التارکین نے عرض کیا کہ اس کی وجہ تو وہی بہتر جانتے ہیں۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد سلطان التارکین نے حضرت مریمؑ کا ذکر چھیڑا اور عرض کیا کہ جب وہ تنہا رہتی تھیں تو انہیں رزق بھی غیب سے ملتا تھا اور وہ بے موسم پھل کھایا کرتی تھیں۔ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُن کی توجہ بٹ گئی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد حضرت مریم علیہ السلام کو حکم ہُوا:

"وھزی الیک بجذع النخلۃ"

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ خواجہ صاحبؒ کو یہ بات پسند آئی۔ [۹۱]

حضرت سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے اُن کے مُرشد حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو تین زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ وہ عربی، فارسی اور ہندوی زبانیں بخوبی جانتے تھے اور ان تینوں زبانوں میں آپ شعر کہتے تھے۔ ان کا ایک ہندوی زبان کا دوہڑا پیش خدمت ہے:

اوکہند بھمن رہن گئی دوہی برھین!
اوکہند دیک بجائی بار ہبجتی تین [۹۲]

سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ ان کے مُرشد کو دُنیا کے ساتھ مطلق کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُن کی مجلس میں دُنیا کا کبھی ذکر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی دنیاوی حکایت سُننا پسند کرتے تھے۔ [۹۳]

---

[۹۱] سرور الصدور، ورق ۱۵ [۹۲] ایضاً، ورق ۹۰
[۹۳] ایضاً، ورق ۵ "ہرگز در مجلس ایشان ذکر دنیا نبودے و اصلاً حکایت دنیا شنیدہ نشدی۔"

شہزادی جہاں آرا بیگم اپنی تصنیف "مونس الارواح" میں رقمطراز ہے کہ :

"خواجہ معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں رشتے ناطے ہوتے رہے ہیں"۔ [۹۴]

بخیب الدین نخشبیؒ

بخیب الدین نخشبیؒ کے بارے میں سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ موصوف خواجہ اجمیریؒ کے "یار" تھے اور سلطان شمس الدین التمش نے انہیں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز کیا تھا۔ حضرت سلطان التارکین کی روایت ہے کہ سلطان التمش انہیں "پدر" کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ [۹۵]

امام فخر رازیؒ

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ ایک بار سلطان محمد سام (شہاب الدین محمد غوری) نے امام رازی کو پانچ ہزار کتابیں عنایت کیں۔ سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ انہوں نے مولانا بخیب الدین سے سنا ہے کہ امام رازیؒ کے اردگرد کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے تھے اور جب انہیں کسی کتاب کی ضرورت پڑتی تو وہ کتابوں پر پاؤں رکھ کر مطلوبہ کتاب تلاش کر لیتے تھے۔ [۹۶]

عین ممکن ہے کہ فلسفہ کے اثر نے اُن کے دل سے کتابوں کا احترام اُٹھا دیا ہو۔ سلطان التارکین کی روایت ہے کہ امام رازی کی وفات کے بعد اُن کی تحریریں جمع کی گئیں تو لوگوں نے حساب لگایا کہ وہ ہر روز چھ جز لکھا کرتے تھے۔ [۹۷]

---

[۹۴] جہاں آرا بیگم "مونس الارواح" ورق ۳۸ الف۔

[۹۵] "میان اولاد و امجاد حضرت پیر دستگیر و شیخ حمید الدین نسبتہا و خویشہا واقع شد"

[۹۵] سرور الصدور، ورق ۱۵۔

[۹۶] ایضاً ورق ۲۲   [۹۷] ایضاً
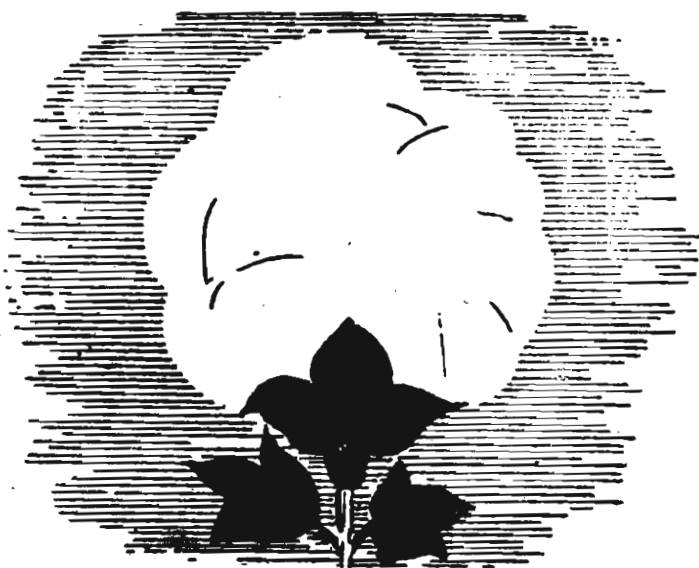
فوّارہ مارکہ

اصل قسم کا

سُوتی دھاگہ

سنگل اور فولڈڈ

۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک

ہینکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے

تیار کنندگان:
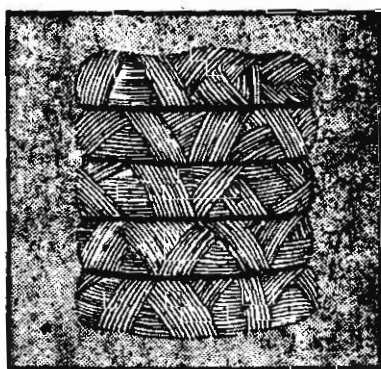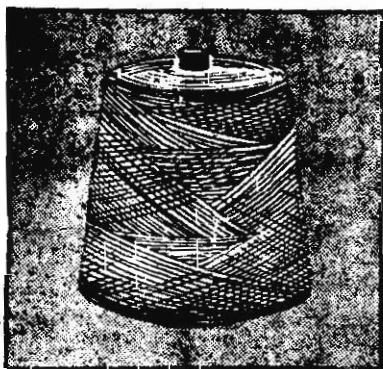
ڈی۔ایم۔ٹیکسٹائل مِلز لمیٹڈ

رجسٹرڈ آفس: ۱۱۶۔ کاٹن ایکسچینج بلڈنگ — پوسٹ بکس نمبر — کراچی

تار کا پتہ: DOSTCOT — فون۔ ۲۲۱۳۲۰ – ۲۲۳۹۱۳

ملز: سٹی چھاؤنی — پوسٹ بکس ۵۲ — راولپنڈی

تار کا پتہ: FINETEX — فون۔

ایک نادر مخطوطہ

مولانا سید سعید اللہ استاد شعبۂ اسلامیات
پشاور یونیورسٹی

وثیقۃ الاکابر — حضرت شیخ فقیر اللہ شکارپوری کا سلسلۂ اسانید

شیخ فقیر اللہ شکارپوری بارہویں صدی کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں۔ آپ سنہ ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی[1]۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق آپ درہ خیبر کی ایک پہاڑی رتاس[2] کی حدود میں پیدا ہوئے۔ زمانۂ تحصیلِ علم آپ نے پشاور میں بمقام خرقئ اور جلال آباد (افغانستان) کی حدود میں بمقام حصارک گزارا[3]۔ اور پھر سنہ ۱۱۳۰ھ تک وہاں قیام پذیر ہوئے اور سنہ ۱۱۳۰ھ سے سنہ ۱۱۵۰ھ تک کا زمانہ آپ نے قندھار میں اور سنہ ۱۱۵۰ھ سے آخر عمر سنہ ۱۱۹۵ھ تک شکارپور میں گزارا[4]۔

آپ نے برصغیر ہند و پاک، افغانستان اور حجاز دمین کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ انہوں نے علوم ظاہر و باطنہ میں آپ کے کمال کو دیکھ کر آپ کو اجازات دیئے۔ چنانچہ آپ نے سلاسل اسانید اور اجازات اپنے ایک مستقل تالیف وثیقۃ الاکابر میں تفصیلاً درج کیں۔

اس کتاب کو آپ نے مقدمہ آٹھ فصول اور خاتمہ پر مرتب کیا۔ مقدمہ سے پہلے کتاب کی ابتداء میں آپ نے مولانا محمد مانوق بن دیندار حصارکی جلال آبادی، شیخ محمد حیات سندھی، شیخ محمد ہاشم ٹھٹھوی، فقیہ طیب خطیب بن عمر بن عبداللطیف الناشری الیمنی الحویدی، شیخ محمد مسعود پشاوری اور شیخ عبدالقادر مفتی مکہ سے

---

[1] مخدوم امیر احمد عباسی: مقدمہ بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص۱۸، ص۲۹ و مقالہ سید امین اللہ علوی: سندھی ماہنامہ الرحیم ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۱ء

[2] یہ پہاڑ پشاور سے بجانب مغرب تقریباً ۱۸ میل اور جمرود سے ۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے میرا مقالہ تقدمۃ مقدمۃ الفتوحات الغیبیۃ، قلمی ص۵ تا ۱۳۔

[3] ایضاً۔ [4] ایضاً و سندھی ماہنامہ الرحیم ستمبر ۱۹۷۱ء

اجازت ملنے کا ذکر کر کے کتاب کے بارے میں یہ وضاحت کر دی کہ اس کتاب میں اسانید کے ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ معتمد علماء کی کتابوں سے مزید تحقیقات بھی ذکر کرتا ہوں اور چونکہ عموماً دوسرے مشائخ کی اسانید شیخ محمد ہاشم ٹھٹھوی کی اسانید میں مندرج ہو جاتے ہیں اس لیے شیخ محمد ہاشم ہی کی اسانید تفصیلاً ذکر کرنے پر اکتفاء کر کے صرف علامہ النووی کی مرویات کی سند فقیہہ طیب خطیب کے طریق سے بیان کروں گا اور اسی طرح طریقہ قادریہ اور طریقۂ نقشبندیہ کی اسانید شیخ محمد مسعود کے طریق سے ذکر کروں گا۔

مقدمہ میں آپ نے پہلے اسناد کی ضرورت سے بحث کی۔ اس کے بارے میں تابعین کے اقوال سے استشہاد لیا اور پھر مجتہد کے اقوال کی روایت کے جواز کے طریقے بیان کئے۔ اس تحقیق کے بعد اسناد میں ادا کے صیغوں سے بحث کی۔

چونکہ مؤلف نے ہر ہر علم کی اسانید کے لیے جدا جدا فصول مقرر کی ہیں مگر علم نحو کی سند کے لیے آپ نے جدا فصل مقرر نہیں کی بلکہ مقدمہ کے تتمہ میں اس کی سند ذکر کی ہے اس لیے آپ نے اور علوم کی اسانید سے جدا مقدمہ میں اس کے ذکر کرنے کی وجہ بتائی اور اس علم کے وضع کرنے کا سبب اس کے واضع اور ناشر سے بحث کی۔ جس کے بعد آپ نے علم نحو میں علامہ شیخ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک سند نقل کی۔

فصل اوّل میں آپ نے علم اصول دین (عقائد) کی سند کسی کتاب کے ساتھ مقید کرنے کے بغیر امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری تک پہنچائی ہے۔

فصل دوم میں آپ نے سات قراء سے ان کی چودہ رواۃ کے طریق سے قرآن مجید کی قرأت کی سند[1] ذکر کی ہے۔ ان سات قراء کا صحابہ پاک باز، تابعین سے روایت کرنے کے بارے میں تفصیل دی ہے۔

---

[1] قرآت کی سند آپنے ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی تک پہنچائی ہے جو سات قراء امام نافعؒ۔ عبداللہ بن کثیرؒ۔ ابو عمروؒ بن العلاء البصری۔ عبداللہؒ بن عامر الشامی۔ عاصمؒ بن ابی النجود۔ حمزہؒ بن حبیب الکوفی اور علی الکسائیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ ان قراء میں سے الدانی کو ہر ہر قاری سے دو دو اسانید سے پہنچی ہے۔ چنانچہ امام نافعؒ کے راوی قالون اور ورش عبداللہؒ بن کثیر کے البزی اور قنبل۔ ابن العلاءؒ البصری کے الدوری اور السوسی۔ عبداللہؒ بن عامر الشامی کے ہشام اور ابن ذکوان۔ عاصمؒ بن ابی النجود کے ابوبکر شعبہ اور حفص بن سلیمان۔ حفصؒ بن حبیب کوفی کے خلف اور خلاد۔ علی الکسائیؒ کے اللیث اور الدوری۔ اسی طرح ابوعمرو الدانی چودہ اسانید سے قرآن مجید کی قرآت کی روایت کرتا ہے۔

تفاسیر میں سے آپ نے تفسیر بیضاوی ، مدارک ، وسیط ، جلالین کی اسانید ذکر کئے اور تفسیر الزاہدی کے بارے میں بتایا کہ اس کی اجازت شیخ محمد ہاشم نے مجھے بغیر سند کے دی۔

فصل ثالث میں اپنے چھٹے صحیح کے بارے میں علماء کے اختلاف کا ذکر کر کے بتایا کہ جمہور علماء کے نزدیک چھٹا صحیح سنن ابن ماجہ ہے ۔ احادیث کی اسانید کے ذکر کرنے سے پہلے آپ نے احادیث کی اسانید کا کتب فقہ کی اسانید پر۔ اور صحاح ستہ کی اسانید احادیث کی اور کتابوں کی اسانید پر۔ اور صحیحین کی باقی چار صحاح کی اسانید پر مقدم ذکر کرنے کی وجہ بتائی۔

صحاح ستہ میں سے ہر ہر صحیح کی سند کے ذکر کرنے سے پہلے آپ نے اس صحیح کے مؤلف کی زندگی کے حالات اور مناقب بیان کئے ہیں ۔ صحاح ستہ کے علاوہ آپ نے احادیث کی مندرجہ ذیل کتابوں کی اسانید ذکر کئے ہیں :-

شمائل ترمذی[1] ۔ حافظ ابومحمد عبد اللہ بن محمد یعقوب کا مسند امام اعظم[2] ۔ مسند امام احمد[3] بن محمد بن حنبل ۔ امام بیہقی کے سنن کبیر[4] ۔ سنن صغیر[5] اور شعب[6] الایمان ۔ طبرانی کا المعجم الکبیر[7] ۔ المعجم الاوسط[8] اور المعجم الصغیر[9] ۔ سنن[10] دارقطنی ۔ سنن ابی محمد[11] بن الصباح البزار ۔ حاکم[12] کا مستدرک ۔ صاغانی کا مشارق[13] الانوار ۔ الجزری کا حصن حصین[14] اور اس کے دو مختصر العدۃ[15] اور الجنۃ[16] ۔ خطیب التبریزی کا مشکواۃ المصابیح[17] ۔ اور موطا امام مالک[18] اور موطا امام[19] محمد کے بارے میں بتایا کہ شیخ محمد ہاشم نے مجھے ان دو کتابوں کی اجازت سند کے بغیر دی ۔

ان کتابوں کے سلسلہ اسانید کے ذکر کرنے سے پہلے آپ نے کتاب اور اس کے مؤلف سے متعلقہ ضروری باتیں بھی بتائی ہیں ۔

فصل ثالث کے تکملہ میں علامہ النووی کے مناقب و احوال ذکر کر کے اذکار اربعین اور ان کے دیگر تمام مرویات کی سند فقیہ طیب بن عمر الیمنی الحدیدوی کے طریق سے ذکر کی اور تکملہ کے آخر میں محدثین کے بارہ طبقات ذکر کئے ۔

فصل رابع میں علم اصول فقہ کی سند کسی کتاب کے ساتھ مقید کرنے کے بغیر امام اعظمؒ تک پہنچائی ہے جس کے بعد آپ نے ائمہ اربعہ کے مناقب اور حالات ذکر کئے ہیں اور پھر صدر الشریعت عبید اللہ بن مسعود کی کتاب " التنقیح " اور اس کی شرح " التوضیح " اور سعد الدین تفتازانی کے تلویح شرح التنقیح کی اسانید ذکر کئے ۔ الشاشی اور الحسامی کے بارے میں بتایا ہے کہ شیخ محمد ہاشم نے مجھے اس کی اجازت سند کے بغیر دی ۔

فصل خامس میں آپ نے علم فقہ کی سند (کسی کتاب کے ساتھ مقید کرنے کے بغیر) امام ابوحنیفہؒ کے طریق سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا تابعین کے طبقہ میں سے ہونے کے بارے میں مفصل بحث کی ہے اور آپ کے مستنبط مسائل کی تعداد بیان کی ہے اور پھر کتب ظاہر الروایۃ کی سند ذکر کر کے امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے مناقب بیان کئے ہیں اور شیخ محمد ہاشم کی طرف سے کتب ظاہر الروایۃ اور الاتحاف میں الاکابر بمرویات الشیخ عبد القادرؒ نام ذکر شدہ اسانید کی اجازت ملنے کی عبارت[1] نقل کی ہے۔

اس کے بعد آپ نے علم فروع فقہ کی چودہ کتابوں القدوری۔ مرغینانی کی الہدایۃ اور التجنیس۔ ہدایۃ کے شروح میں سے علامہ السغناقی کی النہایۃ۔ بدر الدین محمود بن احمد العینی کی البنایۃ۔ ابن الہمام کی فتح القدیر محی الدین عبد القادر کی او ہام الہدایۃ۔ النسفی کی کنز الدقائق۔ اس کی اصل الوافی اور اس کی شرح الکافی اور کنز کے شروح میں سے الزیلعی کی تبیین الحقائق۔ زین الدین ابن النجیم کی البحر الرائق اور اصول فقہ میں ان کی کتاب الاشباہ والنظائر۔ سراج الدین عمر بن نجیم کی النہر الرائق شرح کنز الدقائق شرح کنز الدقائق صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود کا شرح الوقایہ اور النقایہ (مختصر شرح الوقایہ) کی اسانید ذکر کی ہیں۔

الکفایہ شرح ہدایہ، منیۃ المصلی اور خلاصہ کے بارے میں بتایا ہے کہ شیخ محمد ہاشم نے مجھے ان کتابوں کی اجازت سند کے بغیر دی ہے۔ اس فصل کے اخیر میں آپ نے فقہاء کے طبقات بیان کئے ہیں۔

فصل سادس میں آپ نے آداب اور سلوک کی کتابیں میں سے امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم، البلخی کی کتاب العین العلم اور رکن الاسلام کی الطریقۃ المحمدیہ اور شرعۃ الاسلام ان چاروں کتب کے بارے میں بتایا کہ شیخ محمد ہاشم نے مجھے ان کی اجازت مکاتبۃً سند کے بغیر دی ہے۔

اس کے بعد آپ نے علامہ مذکور کی طرف سے صحاح ستہ اور دلائل الخیرات کی اس اجازت کی عبارت ذکر کی ہے جو انہوں نے آپ کو ۲۰ ذی قعدہ ۱۱۶۳ھ کو لکھ کر دی تھی اور پھر اس اجازت کی عبارت

---

[1] اجازت کی عبارت مندرجہ ذیل ہے :۔

"الحمد للہ قد اجزت اخانا فی اللہ وحبیبنا اللہ الشیخ الجلیل والحبر الجمیل الشیخ فقیر اللہ بن الشیخ عبد الرحمن بن شمس الدین بن بدر الدین ــــ بہذہ الکتب الستۃ بحق اجازتی عن مشائخ الکرام رحمہم ربہم بہذا السند بل بجمیع ما عندی ــــ من اسانید تلک الکتب مما ھو مذکور فی رسالتی الاتحاف الاکابر وبہ تعالےٰ استعین۔"

جس میں انہوں نے قراء سبعہ کی روایات کے ساتھ قرآن مجید کی قرأت۔ صحاح ستہ کے علاوہ اور کتب حدیث تفاسیر۔ اصول فقہ۔ فقہ۔ آداب وسلوک اور اوراد و اذکار کی کتابوں کے نام ذکر کئے ہیں۔ یہ اجازت ان کو ۲ رمضان المبارک ۱۱۶۴ھ کو ملی تھی۔

ساتویں فصل میں آپ نے اذکار کی کتابوں میں سے حضرت کعبؓ بن زہیر کا قصیدہ بانت سعاد۔ الحزب الیمانی (المشہور بالدعاء السیفی) الدعاء السامعۃ۔ دلائل الخیرات۔ حزب البحر۔ العقیدۃ البردۃ۔ العقیدۃ المنزہیۃ۔ الحزب الاعظم۔ الاوراد الفتحیۃ کی اسانید ذکر کی ہیں اور الدرود الحاضری کے بارے میں بتایا ہے کہ شیخ محمد ہاشم نے مجھے اس کی اجازت سند کے بغیر دی ہے۔ ان اذکار و ادعیہ اور ان کے مؤلفین سے متعلقہ ضروری مباحث اپنی اپنی جگہوں میں بیان کئے ہیں۔

آٹھویں فصل میں آپ نے خرقہ، تلقین اور مصافحہ متصلہ کی نسبتوں سے مفصلاً بحث کی ہے کہ کیا یہ محدثین کے ہاں ثابت ہے یا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے بدعت سے بحث کی اور پھر شیخ محمد مسعود کے طریق سے طریقۂ قادریہ اور طریقۂ نقشبندیہ کی اسانید ذکر کی ہیں۔ طریقہ قادریہ کی سند کے بعد اور طریقہ نقشبندیہ کی سند سے پہلے درود لکھی ہے جو کئی صفحات پر مشتمل ہے اور پھر شیخ محمد مسعود کی طرف سے طریقہ قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، شطاریہ اور چشتیہ کی اجازت ملنے کے سلسلہ میں حضرت شیخ مذکور کے خط میں نقل کیا ہے۔ کتاب کے خاتمہ میں آپ نے

لہ بعد میں مؤلف نے عقائد۔ ماثور دعائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین اور سلف صالحین سے درود کے اور ثابت شدہ صیغے اس درود کے ساتھ ملائے اور مستقل رسالہ کی صورت میں تالیف کیا جس کا نام آپ نے "براہین النجات من مصائب الدنیا والعرصات" رکھا۔ اس رسالہ کا قلمی نسخہ شکارپور (سندھ) میں سید امین اللہ علوی کے پاس ہے۔

ٰلہ خط کی نقل مندرجہ ذیل ہے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد: یقول خادم الفقراء محمد مسعود مسترشد مجمع البحار منبع المعارف والاسرار محقق علوم الشریعۃ ومدقق دقائق الطریقۃ الحاج محمد سعید اللاھوری انی اجزت العالم الربانی الشیخ فقیر اللہ بالطریقۃ القادریۃ والنقشبندیۃ والسھروردیۃ والشطاریۃ والچشتیۃ لیکون مشغولا بالحق ومثمرا لخیرات بالافادۃ الی طالبی الحق ومرشدا امین الطریقۃ وعاذنہ ومعرضہ ومقبلہ الی اللہ تعالیٰ رب وفقہ للخیر ولا تکلہ الی الغیر وانت حسبہ ونعم اللہ الوکیل۔" وثیقۃ الاکابر ورق ۵۹ قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور لائبریری۔

شیخ، مرید اور محدث کے آداب بتائے ہیں۔ اس کتاب کا سن تالیف ۱۱۶۵ھ ہے۔ چنانچہ اسلامیہ کالج پشاور کی لائبریری میں اس کتاب کے قلمی نسخہ عدد مسلسل ۵۰۱۴ کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

"تحت النسخة المتبركة المسماة بوثيقة الاكابر في شكاربور من مدائن السند بيد مؤلفها الراجي الى رحمة ربه عشاء ليلة السبت احدى وعشرين من شهر صفر المنتظم في سلك شهور سنة خمس وستين ومائة والف"۔

اسلامیہ کالج کا یہ نسخہ ۱۱۸۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ اس نسخہ کے کاتب نے درج بالا عبارت کے بعد لکھا ہے۔

"تمام شد بتاریخ ۱۰ روزہ سہ شنبہ وقت یکپاس شہر جمادی الآخر ۱۱۸۸ھ از دست خاکپای اہل اللہ راجی الیٰ رحمۃ اللہ الباری ملا محمود ولد ملا اللہ رکھیہ"۔

اس نسخہ کے بعض اوراق کے حاشیہ پر مؤلف کی توضیحات بھی ہیں جو غالباً اُن کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس نسخہ کے ابتدائی ورق پر کتاب سے پہلے مؤلف کی طرف سے اپنے شاگرد لعل خاں بن لشکر خاں سلیمانی غلزئی کو وثیقۃ الاکابر میں ذکر شدہ تمام کتب اوراد و قصائد کا اجازت نامہ[1] ہے۔

---

[1] اجازت نامہ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:۔

"بسم الله الرحمن الرحيم۔ الحمد لله وحده والصلوٰة والسلام الاتمان الاكملان على من لا نبي بعده وعلى آله واصحابه ومن نحى نحوه۔ اما بعد فيقول العبد المفتقر الى الله الغني خادم الفقراء فقير الله بن عبد الرحمن الحنفي غفر الله تعالى له ولوالديه اني اجزت الفقيه الورع الصالح لعل خان بن لشكر خان بن كبير السليماني الغلزئي من بطن علي خيل الغزنوي بقراءة جميع الكتب والاوراد والقصائد المذكورة في هذه الرسالة المسماة بوثيقة الاكابر واقرادها ليكون هو مشغولا بالاستفادة ومستمرا الخيرات بالافادة والمرجو من الفقير المجاز له ان لا ينساني واولادي من دعاء الخير في الاوقات الشريفة۔ اللهم وفقه الى الخير ولا تكله الى الغير فانه حسبه ونعم الوكيل نعم المولى ونعم النصير ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔ قلت ذلك باللسان وكتبه بالقلم سنة ثمان وثمانين ومائة والف الحمد لله اولاً وآخراً ظاهراً وباطناً والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه كذلك الى يوم الدين۔ آمين"

اس نسخہ کے آخر میں مؤلف کی طرف سے احمد شاہ ابدالی کے نام ایک قلمی مکتوب بھی ہے جو مؤلف کے مطبوعہ مکتوبات میں سے مکتوب نمبر ۵۰ ہے ۔

وثیقۃ الاکابر کا دُوسرا نسخہ پیر پور خاص (سندھ) میں پیر محمد اسحاق جان کی لائبریری میں ہے ۔ اس نسخہ کے اختتام پہ لکھا ہے :

" تمت النسخۃ المبارکۃ المتبرکۃ کاتبہ فقیر الحقیر خاکپای اھل اللہ فرید الدین محمد متکر یہ

غفر اللہ لہ و لوالدیہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات "۔

اس نسخہ کے ابتدائی صفحہ پر لکھا گیا ہے :

" من متملکات رحمۃ اللہ علیزی ۱۲۱۰ھ ۔

یہ نسخہ خوشخط ہے مگر بوسیدہ ہے ۔ آخر میں زیادہ کرم خوردہ ہے ۔ اس نسخہ کے ساتھ راقم نے اسلامیہ کالج کے نسخہ کا مقابلہ کیا ۔ جہاں دونوں نسخوں میں اختلاف پایا اس کو قلمبند کیا ۔ اسلامیہ کالج پشاور کا نسخہ اس کے مقابلہ میں راجح ہے ۔

اس کتاب کا ایک اور نسخہ کوئٹہ (بلوچستان) میں حافظ خان محمد کاکڑ کی لائبریری میں ہے[1] ۔

کتاب کے تعارف کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کی اشاعت سے علم الاسناد کی کتابوں میں ایک مفید کتاب کا اضافہ ہو جائے گا ۔ اور اگر اس کا مقابلہ اس علم کی اور کتابوں سے کیا جائے تو یہ معلومات ہو جائیں گی ۔ کہ عالم اسلام میں ہر ہر زمانے میں علماء نے علوم ظاہرہ و باطنہ کے پھیلانے میں کس کس انداز سے جدوجہد کی ۔ حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام علوم کے سلسلہ کو جوڑنا کس قدر ضروری سمجھا اور علوم کو اجتماعی مرتبہ حاصل ہونے کے لیے اُن کی مساعی کس طرح بار آور ہوئیں ۔ امام ابن سیرین کا ارشاد ہے :

" ان ھذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم"[2] ۔

علماء نے اسناد کا علم قائم کر کے اس حدیث کی عملاً اشاعت کی ۔

---

[1] مخدوم امیر احمد عباسی : مقدمہ بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ : ۵۰

[2] ابو عیسیٰ محمد ترمذی : الشمائل النبویۃ : ۲۹ آخری حدیث "

ایک مجاہد اور روحانی پیشوا

از حکیم آفتاب احمد قریشی - ایم۔اے - لاہور

سمالیہ کا ہیرو حاجی محمد امین بن عبداللہ حسن

جس نے ۲۰ سال تک آزادی کا پرچم نگوں نہ ہونے دیا

اِسلام کی عظمت کا عجیب کرشمہ ہیں کہ مسلمانوں نے زوال کے دَور میں بھی جلیل القدر مشاہیر پیدا کیئے۔ ان مشاہیروں کا ظہور کسی ایک ملک تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اسلامی دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند پایہ کے اکابر ظہور پذیر ہوئے۔ سید جمال الدین افغانیؒ۔ سید احمد مہدی (سوڈان) شیخ احمد سنوسی طرابلس لیبیا۔ عبدالقادر الجزیری (الجریا) تھی۔

عالم حسین طرابلس (تارکستان) شیخ عبدہٗ (مصر) شیخ سارلیش (ترکی) عبدالکریم (مراکو) اور حضرت علامہ اقبالؒ جیسے بلند پایہ مشاہیر انھیں میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں اِسلام کی شمع فروزاں کی ان اکابر میں سمالیہ کے ایک بلند پایہ عالم اور دَرویش محمد بن عبداللہ حسنؒ کی شخصیت یگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ حاجی حسنؒ کی داستان رزم بزم افسانہ سے بھی دلکش ہے۔ حاجی حسنؒ نے ملک کے جہادِ آزادی کی قیادت کی۔ اور بیس سال تک ملک کی آزادی کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ وہ اپنے علم و فضل۔ ایثار و خلوص۔ زہد و تقویٰ۔ اور جذبہ جہاد کی بنا پر اسلامی دنیا کے اکابر میں ممتاز ترین حیثیت کے حامل تھے۔ حاجی حسن روحانی پیشوا بھی تھے۔ انھوں نے اپنی رُوحانیت کو محض تزکیہ نفس تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ جہادِ آزادی بھی کیا۔ اس اعتبار سے حاجی حسن مجاہد دلی تھے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں وہ مردِ مومن تھے جس نے اپنی نگاہ سے تقدیروں کو بدل دیا تھا۔ حاجی حسنؒ نے مسلسل بیس سال برطانوی سامراج کے خلاف جہاد کیا۔ یہ وہ دور تھا جب برطانوی سامراج اپنے پورے عروج پر تھا۔ اور برطانیہ کو دنیا میں سب سے بڑی فوجی طاقت سمجھا جاتا تھا۔ اتنی بڑی طاقت کے خلاف بے سرو سامانی کے عالم میں بیس سال جہاد فوجی معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہ معجزہ ایک مردِ قلندر کا رہینِ منت ہے۔ اس مسلسل جہاد سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ کہ یہ جہادِ دلی کس قدر عظیم شخصیت کے حامل تھے۔ ان کی قائدانہ صلاحتیں بے نظیر تھیں۔ اسی بنا پر مسلسل بیس سال تک جہاد کیا۔ اور عوام کے اندر بھی جذبہ آزادی کو فروزاں رکھا۔ حاجی محمد بن عبداللہ حسن سمالیہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے دینی تعلیم اور رُوحانی تربیت مکہ معظمہ میں حاصل کی۔ سمالیہ واپس آنے بعد ان کی شخصیت مرجع خاص و عام بن گئی تھی۔

انگریزوں نے فوجی یلغار کی۔ مگر چشمِ فلک بہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا۔ کہ مومن بے تیغ بڑے اور نہتے درویشوں نے برطانوی افواج کو شکستِ فاش دی۔ اس فتح و نصرت پر حاجی حسن بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوا۔ اور انھوں نے اس کے تشکر و اعتنا کے والہانہ جذبات کی ترجمانی کی۔

اس شکست سے برطانوی حلقے سخت مضطرب اور پریشان ہوئے۔ اور انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ افریقہ کی سرزمین سے دوسرا مہدی نمودار ہو رہا ہے۔ چنانچہ برطانوی فوج نے دوسری بار پھر اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ کیا۔ ایک جانب برطانوی طاقت جدید ترین آلات سے مسلح افواج تھیں۔ دوسری طرف چند ہزار نہتے درویش جن کی سب سے بڑی متاع ایمان و اخلاص تھا۔ گویا حق و باطل کی آویزش تھی۔ اس معرکہ میں بھی حق کو غلبہ ہوا۔ اور باطل کو شکست ہوئی۔ برطانوی افواج سمالیہ کے مجاہدوں کی قوت ایمانی کا مقابلہ نہ کر سکیں اور راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اس شکست سے برطانوی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ پسماندہ افریقیوں کو یہ جرأت کہ وہ برطانیہ کو شکست دیں۔ برطانیہ نے اب کے حبشہ و اطھوپیا سے ساز باز کی۔ دو جانب سے برطانوی افواج اور تیسری جانب سے حبشہ کی فوجوں نے یلغار کر دی۔ حاجی حسن کے مجاہدین اس جانبازی سے لڑے۔ کہ نہتے ہونے کے باوجود انھوں نے دشمن افواج کو زبردست شکست دی اس فتح و نصرت سے ہمکنار ہونے کے بعد بھی مجاہد کبیر نے امن و سلامتی کی کوشش کی۔ حاجی حسن نے برطانوی حکومت پر زور دیا۔ کہ وہ سمالیہ کے معاملات میں دخیل نہ ہو۔ مگر انگریز اپنی شکست پر غیظ و غضب کی کیفیت میں تھا۔ برطانوی سامراج نے چوتھی فوجی مہم منظم کی جس کا عبرت ناک حشر ہوا۔ اور برطانوی حکومت کو اپنی قوت و سطوت کے باوجود ایک مرد قلندر کے روبرو سرنگوں ہونا پڑا۔ بالآخر مجبور ہو کر برطانوی حکومت نے حاجی حسن کے نمائندوں سے معاہدہ کیا جس کے مطابق سمالیہ کے بیشتر حصّہ کی آزادی تسلیم کر لی گئی۔ انگریزوں نے اب سیاست کے مزید دام بچھائے۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حملہ کر دیا مگر مجاہدوں نے انگریزی فوجوں کو بھگایا۔ اور انھیں مجاہدین پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ مجاہدین نے ورمنگل قبیلہ کو تتر بتر کر دیا۔ انگریزوں نے اس قبیلہ کی امداد و اعانت کی آڑ میں درویشوں پر حملہ کر دیا۔ اور بے حد ظلم و تشدد کیا۔ مگر درویشوں نے اپنی آزادی کو برقرار رکھا۔

۱۹۱۹ء کے بعد ۱۹۱۹ء میں جنگِ عظیم میں فتح کے بعد انگریز دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔ برطانیہ نے اعلان کیا۔ کہ عیسائیت نے اسلام پر فتح پائی ہے۔ برطانیہ نے اسلامی دنیا کو اپنا حریف سمجھتے ہوئے اس کی تباہی کے منصوبے تیار کیے۔ ترکی کے حصے بخرے کرنے کی تجویز ہوئی۔ فلسطین کو یہود کا قومی وطن قرار دیا گیا۔ اور عرب ملکوں کو غلامی کا سامنا کرنا پڑا۔ برطانوی سامراج کے لیے سب سے

بڑی خلش سمالیہ میں حاجی حسنؒ کا وجود تھا۔ اسلامی دنیا کے خلاف برطانیہ نے جو پروگرام مرتب کیا۔ اس میں مجاہد کبیر کے خلاف کارروائی بھی شامل تھی۔

برطانیہ کا خیال تھا۔ کہ مسلمان ختم ہو چکے ہیں۔ اور ان میں مقابلہ کی سکت باقی نہیں لیکن برطانوی سامراج اس حقیقت سے آشنا نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کی خاک میں اب بھی شررہ باقی ہے۔ چنانچہ اس کی اسلام دشمنی مہم کا مسلمانوں نے پورے زور سے مقابلہ کیا۔ ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر خلافت کی تحریک شروع ہوئی جس نے برطانوی سامراج کے چھکے چھڑا دیئے۔ برطانوی سامراج کے تابوت میں آخری میخ بہادر مصریوں نے ٹھوکی جب کہ انھوں نے سویز پر برطانوی فوجوں کے حملہ کو ناکام کر دیا۔ اب برطانیہ اپنے زخموں کو چاٹ رہا ہے، اور سیاست اور معیشت میں امریکہ کا حاشیہ بردار ہے۔ برطانیہ نے سمالیہ کو جنگی عزائم کا ہدف بنایا۔ برطانیہ نے طیاروں اور جدید ترین آلات سے لیس ہو کر ایک امن پسند قوم کو غلامی کے دام میں زبردستی جکڑنا چاہا۔ بربرا کے مقام پر ہوائی اڈا تعمیر کیا گیا۔ برطانوی ہوائی جہازوں نے مجاہدین آزادی پر بمباری کی۔ فوجوں کے علاوہ دیہات کو بھی تباہ و برباد کیا گیا۔ بمباری سے بے شمار مجاہدین شہید ہوئے۔ اور اسطرح مجاہدین مجبور ہو گئے کہ وہ حبش کی جانب پہاڑوں میں پناہ لیں۔ انھوں نے سمجھا۔ کہ حاجی حسن کی قوت شیرازہ بکھر گیا ہے۔ اس کے دست و بازو ٹوٹ چکے ہیں۔ چنانچہ اس کا زور ہمیشہ ختم کرنے کی خاطر انھوں نے حاجی حسنؒ کو اپنے دامنِ شفقت میں لینا چاہا۔ انگریزوں کو غالباً یہ غلط فہمی ہندوستان کے بعض نام نہاد صوفیاء کے رویہ سے ہوئی۔ جنھوں نے انگریز کی حکومت کو رحمت خداوندی قرار دیا تھا۔ اور اپنی روحانی قوتوں کو انگریز کی فتح کے لیے صرف کیا تھا۔ مگر برطانوی سامراج پر یہ حقیقت آشکارا نہ تھی۔ کہ مجاہد کی روح مفتوح ہوتی ہے۔ برطانوی سامراج کے نمائندے نے حاجی حسن کو تحریر کیا۔ کہ چالیس روز میں ہتھیار ڈال کر انگریزوں کے حلقہ بگوش ہو جاؤ۔ برطانوی حکومت تمہیں ملک میں ایک جا لقاہ عطا کر دے گی۔ جہاں اقامت گزیں ہو کر تم عبادت میں مصروف رہو۔ کوئی اور ہوتا۔ تو وہ اپنے نفس کو دھوکہ دے کر انگریزوں کی اطاعت قبول کرتا۔ اور اس فیصلہ کے لیے شرعی جواز پیدا کر لیتا۔ "اولی الامر" کی آیت کو پیش کرنا اور مسئلہ کی تاویل کرنا۔ مگر حاجی حسنؒ ایک حقیقت شناس عالم تھے۔ اس پر یہ حقیقت آشکار تھی کہ اسلام غلامی قبول ہی نہیں کرتا۔

مومن کا مقصود شہادت ہے۔ اور اس بلند منصب کا حصول مومن کی تمنا ہے۔ حاجی حسنؒ نے وہی فیصلہ کیا۔ جو ایک غیرت مند مسلمان کر سکتا ہے۔ اس برطانوی پیش کش کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے برطانیہ کے نمائندے کو تحریر کیا۔ کہ ہر چند کہ یہ خط ایک مظلوم انسان محمدؐ بن عبد اللہ

حسنؒ کی جانب سے ہے۔ جس کو بلاسبب ظلم وتشدد کا نشانہ بنالیا۔ جہاں تک یہ تمہارے لکھنے کا تعلق ہے
کہ درویش کی طاقت ٹوٹ گئی ہے۔ اس بارے میں اظہار رائے نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ جس کو
چاہتا ہے۔ طاقت سے سرفراز کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے۔ اُسے کمزور کر دیتا ہے۔

جب حاجی موصوف کا یہ خط انگریزوں کے پاس پہنچا۔ تو وہ بے حد پریشان ہوئے۔ انھوں نے اب
نیا دام بچھایا۔ کہ سمالیہ کے آلہ کار مسلمانوں کا ایک وفد ترتیب دیا۔ یہ نام نہاد مسلمان سمالیہ کے جعفر
صادق تھے۔ جو مفاد کی خاطر انگریزوں سے وابستہ تھے۔ غلامی ان کی رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔
مجاہدین کو درس غلامی دینے چلے تھے۔ اس وفد میں امراء کے علاوہ علماء بھی شامل تھے۔ جنھوں نے
اپنے دین کو دنیا کے بدلے میں فروخت کر دیا تھا۔ یہ وفد جب حاجی حسنؒ کی خدمت میں پہنچا۔ تو
حاجی حسنؒ نے وفد کے اراکین کو تلقین کی۔ کہ وہ برطانوی نمائندوں سے کسی صورت میں بھی تعاون نہ کریں
اور آزادی کے لیے جہاد کریں۔ انھوں نے برطانوی نمائندے کا نام ایک مکتوب میں تحریر کیا۔ جس میں برطانوی
ملوکیت کو جھنجوڑا گیا تھا۔ اور اپنے مطالبات دہرائے گئے۔ حاجی حسنؒ نے برطانوی نمائندہ کو یاد دلایا کہ
تم نے زمین۔ عمارات اور دیگر اسناد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ تم نے تشدد کیا۔ اور ہوائی جہاز کا استعمال
کر کے ظلم وستم سے کام لیا ہے۔ تم نے میرے بچوں کو قتل کیا ہے۔ اب میں مطالبہ کرتا ہوں۔ کہ میرا
سامان میرے حوالے کر دیا جائے۔ مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔ اور تم کو اس بات کا حتمی یقین دلاتا ہوں
کہ آئندہ دجل و فریب پر نہ ہو۔

چنانچہ برطانیہ نے اپنے آلہ کار لوگوں کو بڑھایا۔ کہ وہ مجاہدین کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ ان
ضمیر فروشوں اور زرخرید سپاہیوں نے انگریزی ہوائی جہازوں کے سائے تلے مجاہدین پر حملہ کر
دیا۔ مجاہدین پسپا ہوئے۔ اس مرحلہ پر سمالیہ کا مجاہد حاجی محمدؐ بن عبداللہ حسنؒ علالت کا شکار ہوا۔
اور چند ہی روز میں انتقال کر گیا۔ حاجی محمد بن عبداللہ حسن کی وفات پر برطانوی سامراج کے حوصلے بڑھے
اور انھوں نے بڑے زور سے یلغار کی۔ اور ملک کو تباہ و برباد کر دیا۔ سمالیہ میں ہزاروں سال
قبل کی بعض قدیم عمارات تھیں۔ نام نہاد مہذب انگریزوں نے ان تاریخی عمارات کو مسمار کیا۔

حاجی حسنؒ صحیح معنوں میں شہید ہوئے۔ انھوں نے آزادی کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے اپنی جان
جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اور وہ اپنی خوشبو سے پوری طرح باغ عالم کو مہکاتے رہے تھے۔ کہ انھیں
رضوان نے باغ جنت کے لیے چن لیا۔ حاجی حسنؒ کی وفات کے بعد مغربی طاقتوں نے سمالیہ پر قبضہ
کر لیا۔ مگر یہاں کے بہادر عوام نے کبھی غلامی پر قناعت نہ کی۔ اور آزادی کے لیے جدوجہد
کرتے رہے۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے یہ جدوجہد کامیاب ہو گئی۔ اب سمالیہ آزاد ہے۔ اور اسلامی ملک کی حیثیت
اختیار کر چکا ہے۔ اور اسلامی اتحاد کا پرجوش حامی ہے۔ ■■

عہد صحابہؓ میں تعلیمی سرگرمیاں اور انکی خصوصیات

جناب محمود عارف صاحب
پنجاب یونیورسٹی لاہور

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور، اسلام کی تاریخ میں ہر لحاظ اور ہر جہت سے سنہری دور تھا۔ اس مبارک اور مسعود دور میں مادی اور ظاہری سلطنتیں بھی زیر کی گئیں اور باطنی اور قلبی اقالیم بھی فتح ہوئیں۔ اس انقلاب کو جس کی ابتداء سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ عمر فاروق ہی کے دورِ خلافت میں بام عروج تک پہنچنا نصیب ہو سکا اور وعدۂ خداوندی کے مطابق دین اسلام کا مخالف ادیان پر مکمل غلبہ اور استیلاء بھی اسی دور میں ممکن ہوا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے مبارک اور مسعود دور کے بعد ملکی اور ملی سطح پر، گو اتنی ہمہ گیر کوششیں بسلسلۂ اشاعت و ترویج تعلیمات اسلامیہ نہ ہو سکیں جس کی وجہ سلطنت اسلامیہ کے درون خانہ پیدا ہونے والے ان خلفشاروں اور فتنوں کو قرار دیا جاسکتا ہے جس کی ابتداء حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اور جس نے بہت جلد عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی زیادہ تر کوششیں ان فتنوں کو دبانے کے لیے صرف ہونے لگیں۔ باہر کی طرف اٹھنے والے قدم رک گئے۔ غیروں پر چلنے والی تلواریں اپنوں کے خون میں نہا گئیں۔ مسلمان مسلمان کے خلاف بر سر جنگ تھا۔ عجب افراتفری اور شور و شغب کا دور تھا مگر رزم و بزم کے اس دور میں بھی تعلیم و تعلم اسلامیہ کی محفلیں ماند نہ ہوئیں۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں ہر کوچہ اور ہر شہر میں گونجتی اور دلوں کو گرماتی رہیں۔

تعلیمات اسلامیہ کی نمایاں ترین خصوصیت جو تاریخ کے طالب علم کو دکھائی دیتی ہے یہ ہے کہ اس کا شجر طیبہ حکمرانوں کے عدم تعاون کے باوجود پھلتا، پھیلتا اور پھولتا رہتا ہے۔ اس کی آب و تاب میں کمی ہوتی ہے اور نہ اس کی محفلوں کی چمک ماند پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو مسلمان کتنے پر آشوب

ادوار سے گزرے مگر تعلیماتِ اسلامیہ کی آب و تاب برقرار رہی۔ اپنوں کی حکومت تھی اس وقت بھی اور جب غیروں کی بالادستی قائم ہوئی تب بھی۔ بنو امیہ ہوں، بنو عباس ہوں یا مغول و اتراک کسی دور میں بھی مجالسِ علمی نہ ختم ہو سکیں اور نہ کی جا سکیں اور ایسا کیوں نہ ہو وعدۂ خداوندی ہی یہ ہے کہ ان تعلیمات کو قیامت کے آنے تک محفوظ اور تمام فتنوں سے مصئون رکھا جائے گا۔[1]

صحابہ کرامؓ کے دور میں ایک عرصہ تک تعلیمی اور سیاسی لائنیں ہم رنگ و ہم آہنگ رہیں۔ حکومت کے ایوانوں میں جہاں جہانگیری اور جہانداری کے مشورے ہوتے تھے وہیں فرامین وارشادات باری و تعلیمات نبوی کے چرچے بھی سنائی دیتے تھے۔ بلکہ خلفائے راشدین کے دور تک تو جوڑ بانی عزل و نسب کے احکامات صادر کرتی تھی۔ وہی دوسرے وقت میں مبلغ اور معلم کے فرائض ادا کرتی دکھائی دیتی تھی۔ دین اور دنیا کی راہیں ایک ہی تھیں۔ نہ دین دنیا سے الگ تھا، نہ دنیا دین سے بیزار تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔

خلفائے راشدین کے دور تک ولات اور عمال کا تقرر تعلیمی اور علمی حیثیت کے مطابق کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمال کی فہرست میں ہمیں مغیرہؓ بن شعبۃ، ابو موسےٰ اشعریؓ عبادۃ بن الصامتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر و جلیل القدر حضرات صحابہ بھی دکھائی دیتے ہیں جو سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ دنیا کے رہبر و رہنما بھی تھے۔[2]

پھر ایک غیر محسوس طریقہ سے جس کی واضح نشاندہی بنو امیہ خاص طور سے بنو مروان کے دور میں جاکر ہوتی ہے۔ یہ دونوں لائنیں جدا جدا ہونے لگیں۔ اس سلسلہ میں پہلا کام جو ہوا وہ یہ تھا کہ حکمرانوں نے تعلیم و تعلم سے چشم پوشی یا اغراض شروع کر دیا جس سے سیاسی شخصیتیں، علمی شخصیتوں سے متمیز ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ رجال علم مکمل طور سے حکومت کی دستبرد سے آزاد ہو گئے اور تعلیمات اسلامیہ کا فروغ پرائیویٹ (PRIVATE) اور نجی کوششوں سے تکمیل اور نشو و نما پانے لگا۔ شروع شروع میں یہ حیثیت اتنی واضح نہ تھی جتنی کہ بعد کے ادوار میں جاکر ہوئی۔ لیکن مورخ کی مجبوری یہ ہے کہ وہ انگلی رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہی ہے وہ مقام جہاں سے تفریق کا عمل شروع ہوا۔ حقیقتیں اس قدر پیچ در پیچ اور الجھی ہوئی ہیں کہ اس موضوع پر جس نے بھی قلم اٹھایا وہ الجھ کر رہ گیا۔ اگرچہ بعض بزعم خویش صاحب بصیرت

---

[1] ۱۵ (الحجر) آیت ۹

[2] شبلی نعمانی: الفاروق، جستہ جستہ مقامات۔

لوگوں نے اُس کی نشاندہی کرنا چاہی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس میں سراسر ناکام رہے ہیں۔ ان کی نشاندہی یقیناً غلط مواقع کی ہے۔ ان کی انگلی بلاشبہ صحیح اور مناسب مقام پر نہیں پہنچ سکی[1] یہ ایک ایسا پیچیدار مسئلہ ہے جسے بلاشبہ تاریخ اسلام کا بیک وقت نازک ترین اور مشکل ترین مسئلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ایک غیر محسوس طریقے سے اس سلسلہ میں تبدیلی شروع ہوئی جسے غیروں کی اٹھائی ہوئی تحریکوں نے مزید شہ دی۔ اس طرح کہ عالم اسلام کو اُن میں الجھاکے رکھ دیا۔

فاروقی کارناموں کے اثرات

اس دور میں جبکہ فضا باہمی جنگوں اور آویزشوں سے بوجھل اور ثقیل ہو رہی تھی۔ قاری حضرت عمر فاروقؓ کے کارناموں کے اثرات و نتائج سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام کو ایک خاص تنظیم اور ترتیب کے ساتھ مختلف بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیا تھا تاکہ الٰہیاتی تعلیمات پوری دُنیائے اسلام کو منوّر کرسکیں۔

مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمان کو کوفہ میں، معقلؓ بن یسار، عبیداللہؓ بن معقل، عمرانؓ بن حصین، ابوموسیٰؓ اشعری کو بصرہ میں، عبادۃؓ بن الصامت کو، ابودرداءؓ، معاذؓ بن جبلؓ کو شام کے مختلف شہروں میں، حبانؓ بن جبلہ عمروؓ بن العاص کو مصر میں تعینات کیا تھا[2]۔ صحابہ کرامؓ کی اس تعیناتی اور تقرری نے مستقبل میں جو اہم کارنامہ سرانجام دیا اور جس کی بنا پر یہی علاقے مستقبل میں علم و عمل کے ایسے وقیع مراکز ثابت ہوئے کہ جہاں سے بڑے بڑے محدث مفسر اور فقیہ پیدا ہوسکے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بلاشبہ تحسین و ستائش کے مستحق ہیں۔

بعد کے ادوار میں جب فضا و ساز گار نہ رہی تب بھی علم و عمل کے یہ مراکز معروف کار رہے اور انہوں نے اپنی نجی اور انفرادی کوششوں سے دُنیا کو منوّر کرنے میں کوئی کسر باقی نہ اُٹھا رکھی۔

صحابہ کرامؓ نے کس طرح نجی اور انفرادی طریقہ کار سے تعلیمی اور دینی زندگی میں انقلاب پیدا کیا؟ ہماری گفتگو اسی سوال تک محدود ہوگی۔ مگر ابتدا ہی میں اپنی بے بسی اور معذوری کا اظہار کردینا بھی مناسب ہوگا وہ اس لیے کہ صحابہ کرام کی ان تمام کوششوں کا احصاء کرنا کم از کم میرے جیسے ناقص العقل والعلم والے شخص کے لیے تو ویسے ہی ممکن نہیں۔ ویسے بھی اگر کوئی ایسا کرنے کا ارادہ بھی کرے تو اسے کتابیات اور ماخذوں میں جو حوالہ جات ملتے ہیں وہ ان کی کوششوں کی گہرائی اور وسعت کے ادراک سے قاصر رہتے ہیں۔

---

[1] مثلاً مودودی صاحب کی "خلافت و ملوکیت"

[2] شبلی نعمانی، الفاروق، جستہ جستہ مقامات

صحابہ کرامؓ نے جو کچھ کیا وہ خالصتاً رضائے خداوندی کے لیے کیا ۔ اس لیے نہ انہیں نام و نمود کی خواہش تھی اور نہ ہی انہوں نے ایسے کوئی آثار ہی چھوڑے ہیں ۔ تاہم آج ہمارے سامنے جو دین اسلام کا ایک ایک نکتہ، ایک ایک حرف اور زبر زیر تک محفوظ چلے آتے ہیں یہ سب کچھ انہی کی مخلصانہ اور دیانت دارانہ کوششوں کا نتیجہ ہی تو ہے ۔ وہ صحابہ ہی تھے جنہوں نے اسلام کی کامل اور مکمل تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کی ۔ یہ صحابہؓ ہی تھے جنہوں نے حامل وحیؐ اور مہبط وحیؐ کی اس طرح سچی اور بھرپور تصویر ہمارے سامنے کھینچ کے رکھ دی کہ آج کے اس دَور میں وسائل اور اسباب کی فراوانی کے باوجود بھی ایسا ممکن نہ تھا ۔ ان کی کوششوں کو کہاں کہاں تک بیان کیا جائے ۔ آج جو کچھ بھی ہمیں میسّر اور حاصل ہے اس سب میں صحابہ کرام کی کوششیں کارفرما دکھائی دیتی ہیں ۔

کاغذ اور قلم دوات کی قلت بلکہ فقدان کے باوجود بھی محض اپنے حافظے کے بل پر انہوں نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا وہ اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی متمدن دُنیا بھی ان کے اس کارنامہ کی عظمت و تقدیس پر تحسین و ستائش کے پھُول نچھاور کئے بغیر نہیں رہ سکتی ۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر صحابی بموجب ارشادِ نبوی "فلیبلّغ الشاھد الغائب" (ہر حاضر، غائب تک میرا پیغام پہنچا دے) تعلیمات اسلامیہ کی توسیع و اشاعت کا جذبہ اپنے دلوں میں موجزن رکھتا تھا اور یہ جذبہ بڑھ کر ان کی زندگی ہی کا ایک حصّہ بن گیا تھا ۔ ان کا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، آنا جانا، الغرض ہر کام اسی تعلیمی اور علمی انداز میں ڈھل گیا تھا ۔ اپنے علم و عمل سے انہوں نے شمع علم کو بہرصورت فروزاں رکھا ۔

صحابہ کرام کی تعلیمی زندگی کی خصوصیات

یوں تو تعلیم بعد کے ادوار میں بھی جاری رہی اور آج تک جاری ہے مگر جو خصوصیات صحابہ کرام کی تعلیمی زندگی کا جزو لاینفک تھیں وہ بعد کے ادوار میں باقی نہ رہیں ۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں :-

۱۔ **پیاسے تک خود پہنچنے کا ذوق و شوق :** عام طور سے علمی دُنیا میں یہ اصول مسلّم رہا ہے کہ کنواں پیاسے کے پاس چل کر نہیں آتا ۔ بلکہ پیاسا کنوئیں کے پاس خود چل کر جاتا ہے ۔ مگر صحابہ کرامؓ نے کبھی اس اصول اور ضابطے کا پاس اور لحاظ نہ کیا بلکہ خود پیاسوں کے پاس چل کر جاتے اور انہیں تعلیمات الٰہیہ سے روشناس کراتے تھے ۔ مثلاً عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے والد) ابن عمرؓ کے ساتھ عبداللہؓ بن مطیع کے ہاں گئے ۔ عبداللہؓ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اُن کے لیے فرش بچھایا ۔ انہوں نے کہا کہ مَیں تمہارے پاس صرف ایک حدیث سُنانے کی غرض سے آیا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے امیر

کی اطاعت سے دستبرداری کی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو گی۔ اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا[1]۔ ایسی ہی ایک روایت ایک اور تابعی علی بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز کے دوران میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔ نماز ختم کی تو ابن عمرؓ نے ٹوکا اور فرمایا "جس طرح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اسی طرح نماز پڑھا کرو"۔ پھر خود ہی طریقہ بتلا دیا[2]۔ ایسے لوگ جو خود طالبان علم کے پاس چل کر جایا کرتے تھے۔ اور کہاں مل سکتے ہیں؟

۲۔ کیفیات و واردات کی تعلیم صحابہ کرامؓ کی علمی کوششوں کی دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے صرف الفاظ و روایات ہی کو دوسری نسل تک منتقل نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ واردات و کیفیات کی بھی پوری پوری تعلیم دی۔ روایت سُن کر اپنے اُن کے پاکیزہ قلوب پر جو اوّلین اثر ہُوا تھا ان کی سچی سچی رُوداد دوسروں تک عملی یا علمی طریقے سے منتقل کر دینا ان ہی کا شیوہ تھا۔

مشہور تابعی اصبحی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اُنہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے آس پاس بھیڑ لگی ہُوئی ہے۔ پُوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابوہریرہؓ ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس بیٹھ گئے۔ اس وقت ابوہریرہ لوگوں کے سامنے ایک حدیث بیان کر رہے تھے جب وہ حدیث ختم فرما چکے اور مجمع چھٹ گیا تو انہوں نے کہا کہ یا اباہریرہؓ! ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی کوئی ایسی حدیث سنایئے جسے آپ نے سُنا ہو، سمجھا ہو اور جانا ہو۔ ابوہریرہؓ نے کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آپؐ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور اس وقت میرے اور آپؐ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔ اتنا کہہ کر پھر زور سے چلّائے اور بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ ہُوا تو مُنہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو آنحضرتؐ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپؐ کے سوا کوئی نہ تھا۔ یہ کہا اور چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے۔ اصبحی نے تھام لیا اور دیر تک سنبھالے رہے۔ ہوش آیا تو کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا اور پھر پُوری روایت بیان فرمائی[3]۔ جن لوگوں نے اس پس منظر کے ساتھ اس حدیث کو سُنا ہو گا اُن کے دِلوں پر کیا بیتی ہو گی؟ ان کی واردات و حسیّات ابوہریرہؓ کی کیفیات سے یقیناً مختلف نہ ہونگی۔ گویا

---

[1] احمد بن حنبل، مسند، ج ۲، ص ۱۵۴۔ [2] امام مالک، موطا، باب العمل بالید۔

[3] ابو عیسےٰ الترمذی: الجامع السنن، ابواب الزہد۔

اثر انگیزی میں یہ طریقہ کار بہت زیادہ دقیق ہے۔

۳۔ قال کے ساتھ حال صحابہ کرامؓ کے طریقۂ تعلیم کی یہ بھی خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے علم کے ساتھ عمل، قول کے ساتھ فعل اور قال کے ساتھ حال کے طریقہ کو اپنائے رکھا۔ اگر کوئی روایت یا مسئلہ انہوں نے بیان فرمایا تو سب سے پہلے اس پر خود عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ اس طریقہ تعلیم کے نتیجہ کے طور پر صرف رجال علم ہی پیدا نہیں ہوئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اصحاب عمل بھی پیدا ہوتے تھے۔ ان کا اصول زندگی تھا: "لم تقولون مالا تفعلون[1]" (تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس پر عمل نہیں کرتے) اور انہوں نے جو بات اور روایت بیان کی اسی نقطہ نظر سے کی۔ دوسروں کو جتانے سے پہلے اپنے آپ کو اس پر عمل پیرا کرتے تھے۔ اگر کسی صحابی کا عمل اس کی بیان کردہ کسی روایت کے مخالف ہوتا تو اس کی وہ روایت یا وہ بیان دوسروں کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوتا تھا۔

۴۔ تعلیم و تعلّم کے لیے کسی عار کا محسوس نہ کرنا ایک اور اہم خصوصیت اس دورِ مبارک کی یہ رہی ہے کہ انہوں نے دین کے کسی مسئلہ یا روایت کو حاصل کرنے اور اُس کو آگے پھیلانے میں کسی قسم کی شرم یا عار کا لحاظ نہ کیا۔ اگر کوئی روایت یا مسئلہ انہیں معلوم نہ ہوتا تو صاف کہہ دیتے کہ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں اور موقع ملتا تو ایسے مسائل یا روایات کے حاصل کرنے کے لیے دور دراز تک کے سفر اختیار کرتے اور مسائل کی تحقیق کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے۔

مثلاً حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطیع کے پاس ایک روایت ہے۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں شام کے علاقے میں بود و باش رکھتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اونٹ خریدا۔ اور منزلیں طے کرتے ہوئے اُن کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ مجھ سے وہ حدیث بیان کیجئے۔ میں نے اس لیے عجلت کی کہ شاید میرا خاتمہ ہو جاتا اور یہ حدیث سننے سے رہ جاتی۔ اسی طرح ایک دوسری روایت کو حاصل کرنے کے لیے مسلمہ بن خالد نے امیر مصر سے مصر جا کر بالمشافہ ملاقات کی اور ان سے اس روایت کی اجازت حاصل کی۔[2]

---

[1] ٦١ [الصّف] آیت ٢ -

[2] سعید انصاری، سیر انصار: حصہ اوّل " ذکر جابر بن عبداللہ "۔

۵۔ بِلا مُعاوضہ دِینی خدمت

صحابہ کرامؓ نے جو بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اُن کے پس منظر میں کسی دُنیاوی غرض و غایت کی ادنےٰ سی بھی جھلک نہ ہوتی تھی۔ اُن کا ہر کام اور ہر فعل رضائے الہیٰ میں سرشاری کا مظہر تھا۔ دینی تعلیم کی خدمت بھی اُنہوں نے اسی نقطۂ نظر سے کی۔ ان کا نظریہ علم برائے علم یا ادب برائے ادب کا تھا۔ علم برائے زندگی یا ادب برائے زندگی کے وہ لوگ سرے سے ہی قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہر عمل میں خلوص اور للّٰہیت کے جذبہ کی فراوانیاں ہوتی تھیں اور جس عمل کے پس منظر میں خلوص کے دھارے بہہ رہے ہوں تو اُس کے اثرات و نتائج کو قلم کی زبان سے بیان نہیں کیا جا سکتا اور اس کے ادراک کے لیے تو وجدان کی ضرورت ہوتی ہے۔

۶۔ اشاعتِ دین کا جذبہ

اس کے علاوہ اُنہیں دین کی اشاعت اور فروغ کا جو جوش اور جذبہ تھا اُسے قلم کی زبان سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کے دلوں اور دماغوں پر صرف ایک ہی نشہ سوار رہتا تھا کہ دین کی اشاعت زیادہ سے زیادہ کیونکر کی جا سکتی ہے؟ کس طرح دین دُنیا کے کونے کونے میں پہنچ سکتا ہے؟ دُنیا کی جہالت کیونکر دُور کی جا سکتی ہے؟ اور اس کے لیے اُنہوں نے ہر ممکن قربانیاں دیں۔ حتی الوسع کوششیں کیں۔ جو بہت حد تک کامیاب بھی رہیں۔ اسی کا نتیجہ تو ہے کہ آج ہمیں دین کامل اور مکمل صورت میں میسر ہے۔

جناب اختر راہی۔ ایم۔اے

بلاغِ مبین مؤلف: مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ۔ ناشر: امجد اکیڈمی۔ اردو بازار۔ لاہور
صفحات: ۲۹۵۔ قیمت درج نہیں۔

مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ ایک بلند پایہ عالم دین اور مصنف تھے۔ "قصص القرآن" —— "اخلاق اور فلسفۂ اخلاق" اور چند دوسری مقبول کتابیں مرحوم کے قلم سے نکلی ہیں۔ زیرِ نظر تالیف میں مرحوم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین تاریخی حوالوں اور اسناد کے ساتھ جمع کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو تاریخی اشکال پیدا ہوتے ہیں انہیں حسنِ اسلوب اور وسیع النظری کے ساتھ رفع کیا گیا ہے۔

کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ "اصول تبلیغ" میں بتایا گیا ہے کہ دین کی نشر و اشاعت اور کلمۂ حق کے اعلاء کا صحیح طریقۂ کار کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین یکجا کئے گئے ہیں۔ جو آپ نے دعوتِ اسلام کے لئے معاصر حکمرانوں کو لکھے تھے۔ ان فرامین کا پس منظر اور تاریخی و حدیثی نکات بھی واضح کئے گئے ہیں۔ تیسرا حصہ "نتائج و عبر" میں آنحضرت کے مکتوب الیہم کا ردِ عمل، تبلیغ کا مفہوم، جہاد کی حقیقت، قتلِ مرتد، جزیہ اور تکفیر اہلِ قبلہ جیسے موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

امجد اکیڈمی نے "بلاغِ مبین" کا زیرِ نظر ایڈیشن خوبصورت سرورق اور اچھے سفید کاغذ پر شائع کیا ہے۔ کچھ عرصہ سے ہمارے ہاں نایاب کتابوں کے ری پرنٹس (REPRINTS) شائع ہو رہے ہیں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تجاویز پیشِ نظر رکھی جائیں تو ان کتابوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ مؤلف کتاب کے حالاتِ زندگی شامل کئے جائیں۔

۲۔ کتاب کے اشاریے بنائے جائیں۔

۳۔ مؤلف کے ماخذوں کی فہرست کا اضافہ کیا جائے۔

امید ہے امجد اکیڈمی اپنی مطبوعات میں خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہے گی۔

پیارے نبی کی پیاری زبان (عربی بذریعہ خط و کتابت)

مؤلف : عبدالرحمان طاہر سورتی ۔ مرتب : حافظ نذر احمد

ناشر : عربی خط و کتابت سکول ۲۹/۱۸ محمد نگر علامہ اقبال روڈ ۔ لاہور

قیمت کتاب مع فیس امتحان و سند : ۳۰/- روپے ۔

ہمارے لئے عربی زبان کی اہمیت مختلف پہلوؤں سے ہے ۔ یہ ہماری مذہبی زبان ہے قرآن اور حدیث کا سارا سرمایہ عربی میں ہے ۔ عالم اسلام کی زبان ہے اور اُمّتِ مسلمہ سے قریب ہونے کا ایک اہم ذریعہ عربی زبان ہے ۔

زیرِ نظر کتاب میں ۵۵ اسباق کی صورت میں عربی زبان کا ابتدائی نصاب پیش کیا گیا ہے جو منصوبے کے مطابق اوسط درجہ کے خواندہ افراد پانچ ماہ کی مدت میں بذریعہ خط و کتابت مکمل کر سکتے ہیں ۔ ہر سبق کے آغاز میں آٹھ سے دس لفظ دیئے گئے ہیں اور ایک دو قاعدے آسان انداز میں سمجھائے گئے ہیں ۔ سبق کے خاتمہ پر عربی سے اُردو اور اُردو سے عربی میں ترجمہ کی مشقیں ہیں ۔

نصاب پر ایک نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے ۔ کہ اسکی تکمیل سے ایک عام آدمی کتاب اللہ اور حدیث نبوی کے مطالعہ کے قابل ہو سکتا ہے اور عربی زبان میں بول چال پر قدرت حاصل کر سکتا ہے ۔

صحابہ کبارؓ ۔ حضرت علیؓ کی نظر میں

مؤلف : منشی عبدالرحمان خان ۔ صفحات : ۱۱۶

قیمت ۵/- روپے ۔ ناشر : جاوید اکیڈمی ۔ چہلیک ملتان ۔

کتابچہ کا موضوع نام سے واضح ہے ۔ مؤلف نے اس میں صحابہ کبارؓ کی باہمی رشتہ داریوں ، صحابہ کرامؓ کے مقام ، ان کے اختلاف اور حضرت علیؓ کے طرزِ عمل پر گفتگو کی ہے ۔

اعلیٰ بناوٹ
دلکش وضع
دل فریب رنگ
کا
حسین امتزاج
دنیا کے مشہور

بلند و بالا تعمیرات کے لیے پیکو کے اس
آہنی تھک ہاتھ سے کام لیجیے

جدید دور کے تقاضوں کے مطابق بلند و بالا تعمیرات کے لیے
پیکو کی خصوصی مصنوعات (پیکو کنکریٹ مکسر) آپ کا کام آسان
بنا دیتی ہیں۔ مخصوص مقاصد اور حالات کے پیش نظر پیکو کے
دو طرز کے کنکریٹ مکسر بہترین کارکردگی کا ثبوت دے رہے ہیں
نان ٹلٹنگ ڈرم اور ریورسل ڈرم والے مکسر اجزا کو
ملانے کی بہترین صلاحیت رکھتے ہیں
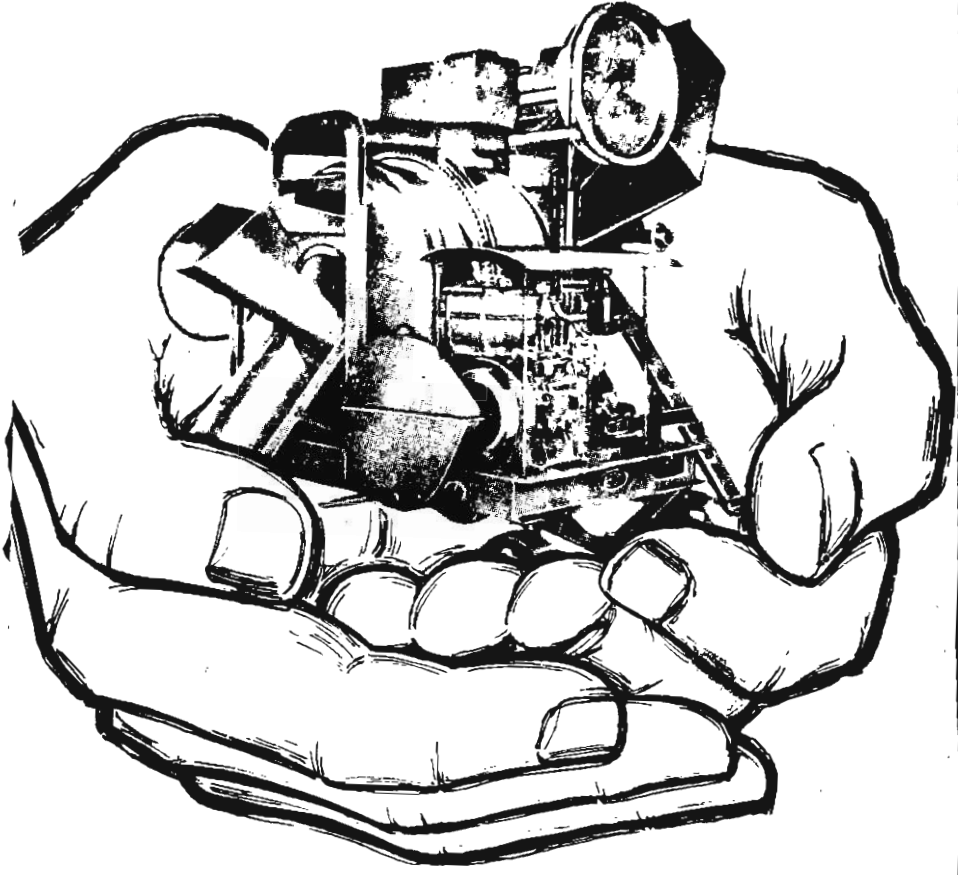
لوڈنگ ہاپر۔ واٹر ٹینک اور پاور ڈرائیو یونٹ پیکو
سی ایم ، ۱۰ ، این ٹی اور سی ایم ، ۷ ، این ٹی آر کا ٹرانسمیشن گیئر بکس
جدید ترین معیار کے آلات اور اعلیٰ کارکردگی کے مظہر ہیں۔
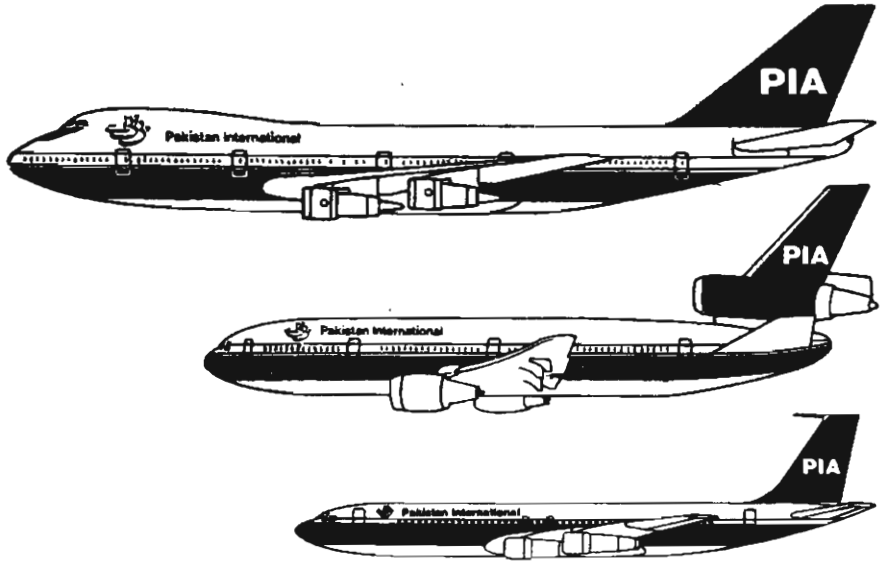
جو دیکھتے ہی دیکھتے لیگ کی صفِ اوّل کی ایئرلائنز میں شمار کی جانے لگی۔
اس مختصر مدّت میں ایسی شاندار ترقی نے دُنیا کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔
چنانچہ گذشتہ برس دُنیا کے ۷۵ مختلف شہروں سے ۲۲ لاکھ مسافروں نے
پی آئی اے سے سفر کیا۔
پی آئی اے کا فضائی بیڑا جدید ترین بوئنگ ۷۴۷، ڈی سی ۱۰ اور بوئنگ ۷۰۷ قسم کے
طیاروں پر مشتمل ہے جن کا دائرۂ پرواز دُنیا کے چہار براعظم پر پھیلا ہوا ہے۔

مزید معلومات کے لئے براہ کرم اپنے ٹریول ایجنٹ یا پی آئی اے
بکنگ آفس سے رابطہ قائم کیجئے۔

PIA پی آئی اے
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ - لاجواب پرواز

IAL-IPP-18-77

RIO (K) PID

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

REGD-NO.P-90